گلگت بلتستان کا اولین
دینی، اصلاحی و تحقیقی مجلہ

سہ ماہی
گلگت بلتستان

نصرۃ الاسلام

ستمبر تا مارچ، ۲۰۱۴ء، جلد: ۳، شمارہ: ۹،۸

اہل سنت والجماعت گلگت بلتستان کی مرکزی عید گاہ

شائع کنندہ:
جامعہ نصرۃ الاسلام عید گاہ روڈ گلگت، گلگت بلتستان

جامعہ نصرۃ الاسلام کا مختصر تعارف

مدیر کے قلم سے ......

جامعہ نصرۃ الاسلام گلگت بلتستان کا اولین دینی ادارہ ہے۔ گلگت بلتستان پاکستان کے انتہائی شمال میں ایک بہت ہی خوبصورت علاقہ ہے۔ یہاں طائفہ منصورہ کے ساتھ طوائف ضال کی کثرت ہے۔ گلگت بلتستان کا پاکستان کے ساتھ مواصلاتی تعلق بہت کمزور ہے جس کے وجہ سے پاکستان کی بڑی شہروں سے اس علاقے کا رشتہ تقریباً کٹا ہوا ہے۔ اس دورافتادہ علاقے میں جامعہ نصرۃ الاسلام کے نام سے ایک ادارہ گزشتہ ساٹھ سالوں سے دینی وملی خدمات انجام دے رہا ہے۔

جامعہ نصرۃ الاسلام بھی پاکستان بھر کے دینی اداروں کی طرح، دینی درس گاہوں کے اس مقدس سلسلے کی ایک کڑی ہے جو خطہ برصغیر میں اللہ کے کچھ برگزیدہ بندوں نے انگریزی استعمار کے ظلم وستم اور تاریک رات میں دین کی شمعیں روشن رکھنے کے لئے قائم کیا تھا۔ اس سلسلۃ الذہب کا اولین ادارہ ''دارالعلوم دیوبند ہندوستان'' ہے جس کے بانی حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحم اللہ علیہما اور ان کے رفقاءِ کار ہیں۔

انہوں نے برصغیر کی آزادی کے لیے بدیسی استعمار کے خلاف جہاد میں بنفس نفیس حصہ لیا تھا۔ جامعہ نصرۃ الاسلام بھی دارالعلوم دیوبند، مظاہر العلوم سہارنپور، جامعہ امینیہ دہلی، دارالعلوم ندوۃ العلماء، مدرسہ رحیمیہ، الجامعۃ العلوم الاسلامیۃ بنوری ٹاؤن، جامعہ دارالعلوم کراچی، جامعہ فاروقیہ کراچی، دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کی طرح ایک خالص دینی وعلمی ادارہ ہے جو اکابر علمائے کرام کی منہج وفکر کو لے کر چل رہا ہے۔

دارالعلوم دیوبند اور اس کے ہم مزاج وہم مسلک ومشرب مدارس کا ایک ہی موٹو ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا لایا ہوا دین اپنی صحیح شکل وصورت میں محفوظ مل جائے۔ اس کے لیے یہ دینی مدارس قائم ہوئے اور جامعہ نصرۃ الاسلام بھی انہی میں ایک ہے۔ اس طرح حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحم اللہ علیہ کا لگایا ہوا چمن ہمیشہ باغ وبہاراں اور سرسبز وشاداب رہے۔ دارالعلوم دیوبند سے علم وفضل، علمی تبحر، اتباعِ سنت اور زہد وتقوی کے جو آفتاب وماہتاب نمودار ہوئے ان کے پاکیزہ کردار سے صحابہ وتابعین کی حسین یادیں تازہ ہو جائیں۔

جامعہ نصرۃ الاسلام کا قیام حضرت مولانا قاضی عبدالرزاق رحمہ اللہ اور ان کے رفقاء نے انتہائی بے سروسامانی کے ساتھ 1953 میں شہر گلگت کے ایک صحراء ''کنوداس'' میں رکھا۔ ابتداءً انجمن نصرۃ الاسلام کے نام سے کام شروع کیا گیا۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ گلگت بلتستان میں تین بڑے فرقے، اسماعیلی، اہل تشیع اور اہل سنت والجماعت بستے ہیں، اٹھائیس ہزاروں مربع میل پر پھیلے اس علاقے میں ایک اور فرقہ نوربخشی کے نام سے بھی موجود ہے۔ ان کی تعداد بہت کم ہے۔ چنانچہ اہل تشیع حضرات نے پاکستان، ایران اور دیگر خلیجی ممالک میں اپنے ہم مسلک لوگوں، این جی اوز، رفاہی اداروں اور حکومتوں سے روابط پیدا کیے۔ جوا نہیں تعلیمی، سیاسی، مذہبی، اور دیگر امور میں سپورٹ کر رہے ہیں۔ اسماعیلیوں کی بھی گلگت بلتستان میں خاطر خواہ تعداد ہے۔ ان کا مذہبی پیشوا شاہ کریم آغاخان پیرس میں مقیم ہے۔ شاہ کریم آغا خان نے گلگت بلتستان کے اسماعیلیوں کی ہر قسم کی معاونت عرصہ دراز سے جاری رکھی ہوئی ہے۔ اعلیٰ معیار کے تعلیمی ادارے بنوائے ہیں۔ جگہ جگہ سکول اور کالجز کا اہتمام کیا ہے۔ بہترین صحت کے ادارے بنوائے ہیں۔ رفاہی، ثقافتی اور دیگر طریقوں سے زندگی کے ہر شعبے میں انہیں سپورٹ کی جاتی ہے۔ اور گلگت بلتستان کو اسماعیلی ریاست بنانے کی تیاریاں مکمل کی گئی ہیں۔ اور چوتھا طبقہ نوربخشی ہے۔ (بقیہ: آخر سے پہلے والا صفحہ)

گلگت بلتستان کا اولین دینی، اصلاحی و تحقیقی مجلہ

نُصرۃ الاسلام

سہ ماہی گلگت

شمارہ: ۸، ۹ | ستمبر تا مارچ، ۲۰۱۴ء | جلد: ۳

بیاد:

بطل حریت حضرت مولانا قاضی عبدالرزاق رحمہ اللہ
(فاضل دارالعلوم دیوبند)

سرپرست اعلیٰ:

حضرت مولانا
ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر صاحب حفظہ اللہ

چیف ایڈیٹر

مولانا قاضی نثار احمد

ایڈیٹر

ابن شہزاد حقانی

اگر تم حق پر ہو
اور حق کی دعوت دیتے ہو؟

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اولوالعزم اور بہادر بیٹی اور جلیل القدر صحابی حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کی بیوی نے آمادہ بہ قتل بیٹے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو جو حکیمانہ جواب دیا، اس پر عورتوں کی تاریخ ہمیشہ فخر کرتی رہے گی) فرمایا:

"بیٹا! تم کو اپنی حالت کا خود صحیح اندازہ ہوگا، اگر تم کو اس کا یقین ہے کہ تم حق پر ہو اور حق کی دعوت دیتے ہو، تو جاؤ! اس کے لئے لڑو، جس کے لئے تمہارے بہت سے ساتھیوں نے اس پر جان دی ہے، لیکن اگر تمہارا مقصد دنیا طلبی ہے تو تم سے بڑھ کر برا کون ہوگا؟ کہ خود کو بھی ہلاکت میں ڈالا اور اپنے ساتھیوں کو بھی ہلاکت میں ڈالا۔ اور اگر یہ عذر ہے کہ تم حق پر ہو اور اپنے اعوان وانصار کی کمزوری کی وجہ سے لاچار ہوگئے ہو تو یاد رکھو! شریفوں اور دینداروں کا یہ شیوہ نہیں ہے، تم کو کب تک دنیا میں رہنا ہے، جاؤ! حق پر جان دینا زندہ رہنے سے ہزار درجہ بہتر ہے۔ جاؤ! دیکھو، خدا کیا انجام دکھاتا ہے۔" از بینات

قیمت، فی شمارہ =/50 روپے، سالانہ زرتعاون: اندرون ملک =/250 روپے، بیرون ملک =/600 روپے

خط و کتابت اور ترسیل زر کا پتہ: ایڈیٹر سہ ماہی نصرۃ الاسلام، جامعہ نصرۃ الاسلام عیدگاہ روڈ گلگت، گلگت بلتستان
ای میل: ibshaqqani@gmail.com رابطہ نمبر: +92-5811-453279,03003955122,03462974626

پبلشر: مولانا قاضی نثار احمد، جامعہ نصرۃ الاسلام عیدگاہ روڈ گلگت، گلگت بلتستان

1/1

القرآن

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُواْ أَطِيْعُواْ اللّهَ وَأَطِيْعُواْ الرَّسُولَ وَأُوْلِي الأَمْرِ مِنكُمْ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللّهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيْلا﴾ (النساء:۵۹)

(اے ایمان والو! حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول اور حاکموں کا، جو تم میں سے ہوں، پھر اگر جھگڑ پڑو کسی چیز میں تو اس کو رجوع کرو طرف اللہ کے اور رسول کے، اگر یقین رکھتے ہو اللہ پر اور قیامت کے دن پر۔)

الحدیث

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جو شخص ایمان اور طلب ثواب کی نیت سے رمضان کا روزہ رکھے، اس کے پچھلے گناہ بخش دیے جاتے ہیں اور جو شخص ایمان اور اخلاص کے ساتھ رمضان میں عبادت کرے، اس کے گزشتہ معاصی معاف کر دیے جاتے ہیں، اسی طرح جو شخص شب قدر میں ایمان و اخلاص سے شب قدر میں عبادت میں مشغول رہے، اس کے بھی پچھلے تمام گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔" (مشکوۃ)

عکس نما

آواز حق (اداریہ)
امن وامان کی بگڑتی ہوئی صورت حال اور دردمندانہ تجاویز
مدیر اعلیٰ کے قلم سے 7

سیرت ھادی دو عالم ﷺ
آپ ﷺ بحیثیت تاجر — پروفیسر ڈاکٹر صلاح الدین ثانی 15

سیرت الصحابہؓ
خلیفہ ثالث حضرت عثمان غنیؓ — مولانا ظہیر احمد 21

ابلاغیات
ذرائع ابلاغ کا آزادانہ کردار اور اسلام
مولانا ابرار احمد اجراوی قاسمی 28

تعلیم و تدریس
رہنمائے تدریس وتحقیق — ترجمہ: مولانا مدثر جمال تونسوی 38

کشمیریات
گلگت بلتستان کی آئینی حیثیت — قاضی عنایت اللہ صاحب 42
خطیب محترم! تیری آواز مکے اور مدینے
محمد رحیم عزیز 44

معاھدات و ضوابط
امن معاہدہ (2005ء)، آخر کب عمل درآمد کروایا جائے گا
قاضی نثار احمد حفظہ اللہ 47

آپ بیتی
تذکرہ ایک مضطرب شخص کا — مولانا محمد اسلم شیخوپوری شہیدؒ 57

مسائل و فضائل
آپ کے مسائل اور انکا شرعی حل — مفتی عبدالباری (صدر مدرس و مفتی جامعہ نصرۃ الاسلام) 61

عکس نما

کالم کار

پولیس گردی کا آنکھوں دیکھا حال محمد طاہر رانا 62

اٹھو کہ بند کریں نفرتوں کے در سارے امیر جان حقانی 64

وفیات

معروف ولی اللہ حضرت مولانا شاہ حکیم اختر صاحب رحمہ اللہ

امیر جان حقانی 67

یاد رفتگاں

حضرت مولانا قاری محمد رفیق الخلیلؒ کی شہادت

مولانا سید محمد زین العابدین 72

مولانا نذیر اللہ خانؒ، محبت کرنے والے انسان

مولانا شفیق الرحمان گلگتی 74

''مولانا فرشتہ صاحب''......مراسلہ نگار: ابراہیم حسین عابدی 76

تبصرہ وتعارفِ کتب

مختلف کتب ورسائل پر تبصرہ مبصر کے قلم سے 77

رپورٹ

سالانہ جلسہ، تقریب ختم بخاری ودستار فضیلت

مدیر کے کے قلم سے 80

اخبار وسرگرمیاں

جامعہ کے شب وروز مولانا حبیب اللہ دیدار 84

مراسلات

مختلف قارئین کے مراسلات ومختصر مضامین

ادارہ 95

نامے میں نام

قارئین کے خطوط مدیر کے نام 96

آوازِ حق (اداریہ) مدیر اعلیٰ کے قلم سے

بسم الله الرحمان الرحيم

امن وامان کی بگڑتی ہوئی صورت حال

اوردردمندانہ تجاویز!

علماء امت نے مقاصد شریعت بیان کرتے ہوئے حفاظت دین، حفاظت مذہب، انسانی مال و جان، عقل وشعور، نسل آبرو اورعزت اور مال و متاع کی حفاظت کو مصالحہ ضروریہ قرار دیا ہے۔یعنی لوگوں کی ضروریات زندگی کی حفاظت کرنا ضروریات زندگی وہ اہم امور ہوتے ہیں کہ جن پر انسانی اور معاشرتی زندگی کا دارو مدار ہوتا ہے۔ان ضروریات کی مکم حفاظت کے بغیر انسانی و معاشرتی زندگی مفلوج ہوکورہ جاتی ہے۔انتشا اور دنگا فساد پھیلتا ہے اور انارکی عروج کو پہنچ ہے۔آئندہ کے سطور میں ہم ان ضروریات زندگی کو سامنے رکھتے ہوئے گلگت بلتستان کی ناگفتہ بہ صورت حال کا تفصیلی جا لیں گے اور گلگت بلتستان بالخصوص مرکزی ایریا گلگت کے لئے تجاویز بھی پیش کریں گے۔

ہم اگر غور سے گلگت بلتستان کی سیاسی و معاشرتی زندگی کا مطالعہ کریں تو ہمیں واضح طور پر نظر آتا ہے کہ گلگت بلتستان یہاں کے مسلمانوں کی دین بھی محفوظ ہوتی نظر نہیں آرہی ہے۔مختلف قسم کے خرافات و بدعات اور اختراعات فی الدین یہاں کے مسلمانوں کو سخت قسم کی الجھنوں میں ڈال رکھا ہے۔اوراس سے بھی بڑی بدقسمتی یہ ہے ان خرافات دینیہ اور بدعات سیئات کو باقاعدہ سرکاری تحفظ حاصل ہے۔ اور انتظامیہ کی نگرانی میں یہ سب کچھ کیا جارہا ہے۔مثلاسرکاری ترغیب اور اہتم بعض کمزور سنیوں کو عزاداری مجالس میں لے جانا اور انہیں غیر شرعی جلوس میں ان کو کھڑے رکھنا۔علماء امت نے دین حفاظت کو ضروریات زندگی میں سب سے اہم اور اول قرار دیا ہے اور تحفظ ایمان اور تحفظ دین کو زندگی کے اہم مقاصد میں ایک مقصد گردانا ہے۔لیکن انتہائی افسوس اور دکھ کے ساتھ کہنا پڑتا ہے گلگت بلتستان میں سرکاری مشینری کو استعمال کرکے گھناؤنی کوشش کی جاتی ہے کہ غیور مسلمانون کے ایمان اور دین کو جتنا ہو سکے نقصان پہنچایا جائے۔حالانکہ یہ فطرت انسا کے خلاف ہے۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ''ھوالذی ارسل رسولہ بالھدیٰ ودین الحق لیظہرہ علی الدین کلہ'' مگر اسلام اور دین مذہب بیزار لوگ دین اسلام وایمان کے خلاف صف آراء ہیں۔دین محمدی کے اندر دین کے نام سے اپنی خواہشات پر باتیں شامل کرکے اور یہودیت کا چربہ لے کر دین اور ایمان کو شدید نقصان پہنچانے کی سعی لاحاصل میں لگے ہوئے ہیں۔

احکام قرآن اور تعلیماتِ نبوی ﷺ میں انسانی جان کی حرمت کا ذکر مختلف طریقوں سے آیا ہے۔بے گناہ انسانو کے قتل کے متعلق سورۃ المائدہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے کہ''

من قتل نفسا بغير نفس أو فساد في الارض فكأنما قتل الناس جميعا، ومن احياها فكأنما احياالناس جميعا''

اس آیت کریمہ کی روشنی میں انسانی جان کی اہمیت کا اندازہ آسانی سے لگایا جاسکتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے قتلِ انسان ا فساد فی الارض کوانتہائی قبیح عمل قرار دیا ہے۔ان دونوں اعمال قبیحہ میں ملوث لوگوں کو پوری انسانیت کا قاتل بتایا ہے۔

اور انسانی جان کی حفاظت کرنے اور فساد فی الارض سے بچنا اور بچانے کی تدبیر کرنے کو "احیا" سے تعبیر کیا ہے جس کے معنی ومفہوم زندہ کرنا کے ہیں یعنی پورے معاشرے کو زندہ و جاوید رکھنا۔ ہمارے ہاں تو انسانی جان بہت ارزاں ہو چکی ہے۔ فساد فی الارض کو عبادت کا درجہ دیا جانے لگا ہے۔ من مانی خواہشات اور اھواء نفسی کو دینی تعبیرات سے مزین کر کے اسلام بیزاری کا درس عام کیا جا چکا ہے۔ اور اس کے نتیجے میں معاشرہ قتل گاہ بن جاتا ہے اور مقاصد شریعہ معدوم ہو جاتے ہیں۔ انسان کی ایمان کے ساتھ جان و مال بھی ضائع ہو جاتے ہیں۔ معاشی ناہمواریاں اور پیچیدگیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔

یہ ایک بین الاقوامی قانون ہے کہ بھوکے انسان کو ہر حال میں کھانا دیا جائے مگر ہمارے ارباب اقتدار غریبوں کے منہ سے نوالا بھی چھین لیتے ہیں وہ بھی مذہب کی آڑ میں۔ یعنی غریبوں کا ناطقہ بندی کر کے وہ بزعم خویش مذہبی خدمات انجام دیتے ہیں۔ غریب کے گھر کا شعلہ بجھانا ان کا خصوصی مشغلہ بن چکا ہوتا ہے۔ عدل و انصاف کا جنازہ نکل چکا ہے۔ قرآن کا اٹل فیصلہ ہے کہ "اعدلوا ھواقرب للتقویٰ"، مگر یہاں تو مسلکی عبادت گاہوں میں ہی عدل و انصاف کا جنازہ ہی پڑھایا جاتا ہے۔ برابر کے دو جان قتل ہو جاتے ہیں۔ ایک کی اشک جوئی کے لیے پوری حکومتی مشینری پہنچ جاتی ہے، بیس لاکھ فی کس کے اعتبار سے اعلانات ہو جاتے ہیں، چیک تقسیم ہوتے ہیں۔ ان کے قاتلوں کو کیفر کردار تک پہنچانے کے اعلانات کیے جاتے ہیں اور آہنی ہاتھوں سے نمٹنے کی خوشخبریاں سنائی جاتی ہیں اور دوسرے مقتول کی اشک جوئی بھی نہیں کی جاتی۔ انتہائی تگ و دو کے بعد تین لاکھ فی کس کا اعلان ہوتا ہے اور اس پر بھی احسان جتلایا جاتا ہے۔

ان کے ورثہ کے لیے کوئی خاص مالی گرانٹ کا اعلان نہیں کیا و جاتا ہے اور نہ ہی ان کے قاتلوں کو کیفر کردار تک پہنچانے کے لیے پریس کانفرنسیں کی جاتی ہیں۔ جب ارباب اختیار کی توجہ اس ناانصافی کی طرف دلوائی جاتی ہے تو الٹا توجہ مبذول کروانے والوں کو موردِ الزام ٹھہرایا جاتا ہے۔ ان کا صرف ایک قصور ہوتا ہے کہ ان کا تعلق اہل سنت سے ہوتا ہے۔ اور اہل سنت طائفہ منصورہ ہے جس کی سزا طائفہ ضالہ کے پیرو دے رہے ہیں۔ عدالتوں سے انصاف بکتا نظر آتا ہے۔ جج صاحبان سے طاقت کے زور سے فیصلے بدلوائے جاتے ہیں۔ اشتہاری ملزموں کو بڑی آسانی کے ساتھ باعزت بری کروایا جاتا ہے۔ پھر انہی ججوں سے ظالم کو مظلوم اور مظلوم کا ظالم ڈکلیئر کروایا جاتا ہے۔ اور پھر ان کے عدل و انصاف کے قصے میڈیا کے ذریعے پورے علاقے میں پھیلائے جاتے ہیں۔

غریب لوگوں پر مقدمات درج کیے جاتے ہیں اور ایک منظم لابی ان کو مجرم قرار دینے کے لئے تعاون و وکالت پر کمر کس لیتی ہے، یوں معاشرے سچ اور جھوٹ کا تمیز ختم ہو جاتا ہے بلکہ سچ جھوٹ اور جھوٹ سچ ثابت ہونے لگتا ہے۔ معاشرے میں قیام امن کے لیے تحفظِ دین، تحفظِ نسل انسانی اور تحفظِ جان و مال کا ہر قیمت پر خیال رکھا جانا چاہیے۔ جب تک انصاف کا فروغ نہیں ہوگا، جب تک نوکریاں میرٹ پر نہیں دی جائیں گی، جب تک تمام اداروں میں مساوات کا کلچر متعارف نہیں کروایا جائے گا، جب تک معاشی پیچیدگیاں ختم نہیں کی جائیں گی، معاشرے میں امن و آمان اور حالات کی درستگی محال ہے۔ ہم نے بار بار حکومتی مشینری اور حساس اداروں کی توجہ ان معاشرتی مسائل اور دُکھتے ہوئے ناسوروں کی طرف مبذول کروائی ہے مگر کہیں سے بھی شنوائی نہیں۔ اللھم انصر الاسلام و المسلمین۔

ضلع دیامر ایک پرامن علاقہ ہے، یہاں کے لوگ سادہ لوح ہیں مگر گزشتہ ایک عرصے سے کچھ نادیدہ قوتیں وہاں ایسے حالات پیدا کر رہی ہیں جن سے وہاں کے غریب اور مفلوک الحال لوگ ظالم اور گنوار ٹھہرتے ہیں۔ میڈیائی طبقات دانستہ یا

غیر دانستہ طور پر ان نادیدہ قوتوں کا آلہ کار بن جاتی ہیں، اور ایسے ایسے شگوفے چھوڑ دیے جاتے ہیں کہ الامان والحفیظ، وہاں کے لوگ پر امن رہنا چاہتے ہیں مگر جان بوجھ کر ایسے حالات پیدا کیے جاتے ہیں کہ لوگوں میں بے چینی پیدا ہو جاتی ہے۔ کبھی کسی علاقے میں کوئی حادثہ اور واقعہ رونما کروایا جاتا ہے اور اس کی آڑ میں پورے دیامر کے لوگوں کی زندگی اجیرن بنا دی جاتی ہے۔ وہاں کی گرینڈ جرگہ انتظامیہ اور حساس اداروں سے مکمل تعاون کرتی ہے مگر اس کو تحسین کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا ہے۔ وہ معاشرتی بگاڑ سے بچنے کے لیے بعض دفعہ بے قصور لوگوں حتیٰ کہ علماء کرام تک کو بھی حکومت کی ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے انتظامیہ کے حوالے کرنے پر مجبور ہوتے ہیں مگر صد افسوس اس بات پر ہے کہ پھر بھی اہل دیامر والے قصور وار ہیں۔ ہماری دانست کے مطابق پورے گلگت بلتستان سے ابھی تک ایسی مثال نہیں ملتی کہ از خود کسی نے اپنے بے قصور لوگوں کو انتظامیہ کے حوالہ کیا ہو۔ یہاں تو گنگا ہی الٹی بہتی ہے۔ نومل کے مقام پر فورسز کے آفیسر اعلیٰ آئی جی عثمان زکریا کو یرغمال بنانے کو کیفر کردار تک پہنچانے کے بجائے موسم گرما میں گرم چوغے پہن کر ان کے سامنے سر جھکایا۔ حکومت ان کو کچھ نہیں کہہ پائی، اور وزیر اعلیٰ اس کو ضیافت کا نام دیتا ہے۔ مقام افسوس یہ ہے کہ مقتدر قوتیں اس پورے ڈرامے میں شریک رہی۔ ان دہشت گردوں اور فتنہ سازوں پر کوئی ہاتھ ڈالنے سے قاصر ہے مگر پھر بھی علاقے میں امن کا ڈھونڈورا پیٹا جاتا ہے۔ کیا ان کشیدہ اور ستم زدہ حالات میں امن ممکن ہے؟ ایسی نرالی منطق تو ہم سمجھنے سے رہے قاصر۔ اگر انتظامیہ اور حساس ادارے واقعتاً امن کے لیے مخلص ہیں تو ان تمام ملزموں اور مجرموں کے ساتھ یکساں سلوک کرنا ہوگا۔ ظالم کو کیفر کردار تک پہنچانا ہوگا اور مظلوم کی دادرسی کی جانی چاہیے ورگرنہ کبھی بھی امن نہیں ہوسکتا۔

امن کے قیام کے لیے عدلیہ کا آزاد ہونا اور اسلامی خطوط پر استوار ہونا از حد ضروری ہے۔ ہم ارباب اقتدار اور حساس اداروں سے پر زور گزارش کرتے ہیں کہ گلگت بلتستان کی تمام عدالتوں کو بالفعل آزاد کیا جائے عدلیہ یعنی (سول کورٹ سے سپریم اپلیٹ کورٹ) کی آزادی کو بالفعل یقینی بنایا جائے۔ انصاف اور میرٹ پر فیصلے کرنے والے ججوں کی حوصلہ افزائی کی جائے نہ کہ ان کو ڈرا دھمکا کر، خفیہ طریقے سے ان پر دباؤ ڈال کر، ان کی پروموشن روک کر اور ان کی پروفیشنل زندگی میں رکاوٹیں پیدا کر کے انہیں حراساں کیا جائے۔ عدالتی معاملات کو انتظامیہ سے بالکل الگ رکھا جائے، عدالتی فیصلوں پر کوئی ادارہ اثر انداز نہ ہو۔ جب تک ہمارے ارباب اقتدار اور انتظامیہ والے عدالتوں کی مکمل آزادی کو یقینی نہیں بنائیں گے تب تک امن ممکن ہی نہیں۔ باوثوق ذرائع سے اطلاعات ملتی ہیں کہ مجرموں، ڈاکوؤں اور اشتہاری دہشت گردوں کو بھگانے میں اعلیٰ حکومتی ذمہ دار مرکزی کردار ادا کرتے ہیں۔ ایسے میں معا

ظلم بھی رہے اور امن بھی ہو
تم ہی بتاؤ کیا ممکن ہے

شرتی اور تمدنی زندگی میں کس طرح بہتری کی توقع کی جاسکتی ہے۔ بہر صورت فوری اور سستا انصاف ملنا چاہیے جس کے بغیر امن کا خواب کبھی بھی تعبیر نہیں ہوسکتا۔

ایک اہم بات یہ بھی قیام امن میں رکاوٹ بنتی جارہی ہے کہ گلگت بلتستان میں ''ابلاغی دہشت گردی'' عام ہو چکی ہے۔ یہاں کا پرنٹ میڈیا حد درجہ حدود کا پامال کرتا ہے۔ اپنے ابلاغی وظائف سے کوسوں دور ہیں۔ اپنے من پسند افراد، اداروں اور مسالک کی خبریں سپر لیڈ لگا دی جاتی ہیں۔ رائی کا پہاڑ اور پہاڑ کا رائی بنانا معلوم بن چکا ہے۔ ایک باقاعدہ منصوبے کے تحت کچھ اضلاع بالخصوص ضلع دیامر کے خلاف اخباری مہم شروع کی گئی ہے۔ ایسے ادارے اور مضامین و کالم

لکھوائے جاتے ہیں جن سے پورے علاقے میں نفرت کی آگ پھیل جاتی ہے۔ صحافت کی یہ کالی بھیڑیوں کو جب تک بیڑیاں نہیں ڈالی جاتی ہیں یہ سفید کو کالا اور کالا کو سفید بتلاتی رہیں گی۔ کچھ لوگ ایک سازش کے تحت گلگت بلتستان میں طالبان کا ڈھونڈورا پیٹتے ہیں۔ کیا ان کو معلوم نہیں ہے کہ جہاں طالبان ہوتے ہیں وہاں ڈرون حملے کیے جاتے ہیں۔ اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ آ بیل مجھے مار، یعنی آ امریکہ ہمیں مار۔ خاکم بدہن! اگر یہاں ڈرون حملے شروع ہوئے تو کیا وہ مخصوص لوگوں کے گھر جلا کر راکھ کر دیں گے۔ یقیناً نہیں۔ ڈرون حملے ہرگز یہ نہیں دیکھتے ہیں کہ اس علاقے میں کس مکتب فکر اور مسلک کے لوگ رہتے ہیں بلکہ وہ تو تمام کھیت وکھلیان کو بھسم کر کے رکھ دیتے ہیں۔ ہم واضح طور پر یہ سمجھتے ہیں کہ جو لوگ گلگت بلتستان میں طالبان کو باور کروا کے مخصوص مقاصد کی تکمیل چاہتے ہیں اور طالبان کی موجودگی کو یقینی بنانا چاہتے ہیں اور اس آڑ میں بعض شریف لوگوں اور مخصوص ایریاز میں آپریشن کروانا چاہتے ہیں وہ مغربی اور امریکی آلہ کار ہیں۔ آج تک حساس اداروں نے نہیں کہا کہ گلگت بلتستان میں طالبان پہنچ چکے ہیں مگر ایک اخباری ٹولہ اس بات پر پوری قوت لگا رہا ہے کہ یہاں طالبان ہیں اپریشن کیا جائے۔ یہ لوگ سوشل میڈیا کو بھی انتشار ونفرت پھیلانے کے لیے خوب استعمال کرے ہیں۔ اور ویسے بھی جھوٹ مسلمہ طور پر ایک قبیح عمل ہے۔ جھوٹوں پر اللہ کی پھٹکار ہے مگر ایک مخصوص اخباری طبقہ اور انہیں مدد کرنے والے زہریلے سانپ جھوٹ اتنا بولتے ہیں جھوٹ سچ دکھائی دینے لگتا ہے۔ مقتدر اداروں کو چاہیے کہ ایسی رذیل بھیڑوں کو کالی بھیڑیاں بننے سے روکیں، ورنہ کل یہ لفافہ جرنلزم کی پیداوار ناتواں بھیڑ خون چوسنے والے خوانخوار بھیڑیاں بن سکتے ہیں۔ جب تک یہاں کے اخبارات کو اسلامی حدود وقیود اور اخلاقیات، صحافتی اصول وضوابط کا پابند نہیں بنایا جاتا ہے تب تک یہ یہاں قیام امن کی راہ میں کانٹے بچھانے سے کوئی کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کریں گے۔

گلگت بلتستان میں امن کو برباد کرنے کے لیے وقتاً فوقتاً ایسے لوگوں کو یہاں دعوت دی جاتی ہے جن کی شہرت انتہائی متنازعہ ہوتی ہے۔ گزشتہ دنوں فیصل رضا عابدی نام کے ایک متعفن زدہ شخص کو گلگت میں انتہائی کھلی چھوٹ دی گئی۔ یہ شخص گلگت بلتستان میں ایک بہترین سانحہ کی کوشش کر کے گیا مگر اللہ کا کرم ہوا اور انہیں اپنے مذموم عزائم میں ناکامی ہوئی۔ مصدقہ اطلاعات کے مطابق سانحہ جامعہ تعلیم القرآن بھی اس دہشت گرد کی سازشوں کا نتیجہ ہے۔ اس نے یہاں اہل سنت و الجماعت، تمام گلگت کی سیاسی قیادت کے بارے میں جو غلیظ بکواس کی وہ سب پر عیاں ہے۔ ایسے خُبثِ باطن رکھنے والے لوگوں کو قوت کے ساتھ روکنا ہوگا۔ ورنہ یہی لوگ کل کسی اور مصیبت کا راگ نہ الاپے۔ ہمیں حیرت ہوئی ان لوگوں پر کہ جب اہل سنت کا کوئی لیڈر یا عالم دین یہاں آتا ہے تو ان کی لمبی لمبی زبانیں باہر نکلتی ہیں اور زہر اگلتی ہیں مگر اس بد بخت، زبان دراز کے بارے میں سب کی زبانیں گنگ تھیں۔ نجی محفلوں میں سب اس کو برا بھلا کہتے نظر آئے مگر کمال ہو کسی نے اس زبان دراز کی مذمت کی ہو۔ دفاع وطن کنونشن کے عنوانات سے جلسے کیے جاتے ہیں اور ان جلسوں میں وطن اور وطن میں بھاری اکثریت سے رہائش پذیر اہل سنت شہریوں کے خلاف اول فول بکا جاتا ہے۔ وہ لوگ خاک وطن کی دفاع کریں گے جو بارہا وطن کا سبز ہلالی پرچم جلا چکے ہیں اور انڈیا کی طرف مارچ کرنے کی دھمکیاں تھوک کے حساب سے دیتے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ایسے لوگ امن کی راہ میں سب سے بڑے رکاوٹ ہو ہیں۔ اس طرح کئی ایک لوگوں کو یہاں بڑے دھوم دھام سے بلایا جاتا ہے اور ان کو امن کے سفیر قرار دینے کی اخباری مہم شروع کی جاتی ہے مگر حقیقت میں یہ لوگ امن کے دشمن ہوتے ہیں۔ گزشتہ دنوں چند اور لوگوں نے بھی یہاں آکر بالخصوص سنی علاقوں میں جا کر ایسی بودی اور کمزور حرکتیں کی ہے کہ اس پر افسوس ہی کیا جا سکتا ہے۔ ہمارے کچھ لوگ بھی ان غیر ذمہ دارانہ حرکتوں کی مذمت کرنے کے بجائے ان پر لٹو ہو جاتے ہیں۔

قراقرم انٹرنیشنل یونیورسٹی گلگت بلتستان کا ایک اجتماعی اثاثہ ہے۔ یہ کسی مسلک، علاقہ یا فرد واحد کی ملکیت اور آماجگاہ

نہیں مگر دکھ اس بات پر ہوتا ہے کہ کچھ لوگوں نے اس قومی اثاثے کو اپنی جاگیر سمجھا ہوا ہے۔ وہاں اہل سنت طلباء کے ساتھ سوتیلی ماں جیسا سلوک روا رکھا جاتا ہے۔ اہل سنت ملازمین بھی مشکلات میں گھرے ہوئے ہیں۔ جان بوجھ کر ان کی پرموشن روکی جاتی ہے۔ گلگت بلتستان کی کابینہ اور لوکل انتظامیہ بھی یونیورسٹی میں گھٹیا کردار ادا کر رہی ہے۔ یونیورسٹی انتظامیہ بھی اپنے قول و فعل سے یہ ثابت کر رہی ہے کہ یہ کسی خاص طبقے کی جاگیر ہے۔ یونیورسٹی انتظامیہ کو اپنے اس غیر ذمہ دارانہ رویے کو ترک کرنا ہوگا۔ سنڈیکیٹ کے فیصلے اگر ایک بار ہو جائے تو پھر ان کو کسی مخصوص گروہ کی ایماء پر کیوں تبدیل کیے جاتے ہیں۔ یہ ایک تعلیمی ادارہ ہے۔ اس کو تعلیمی ادارہ ہی رہنے دیا جائے تو مناسب ہے۔ یہاں فحاشی پر مبنی فیسٹول اور متنازعہ مسلکی پروگرام کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ کیا ہم یونیوسٹی انتظامیہ، لوکل گورنمنٹ اور مذہب کے نام پر مذہب کو بدنام کرنے والے ٹولوں سے پوچھ سکتے ہیں کہ جس پروگرام کی وجہ سے کئی انسانوں کی جانیں ضیاع ہو جائے اس کی شرعی حیثیت کیا ہوتی ہے۔ کیا ایک مخصوص گروہ کی ایماء پر مسلکی پروگرام اتنا ضروری ہے کہ پورے گلگت بلتستان کا امن برباد ہو، یونیورسٹی تین تین مہینے کے لیے بند ہو جائے۔ کیا یہ حرکتیں امن کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹیں نہیں ہیں اور تعلیم کا جنازہ نہیں نکل رہا ہے۔ ان نازیبا حرکتوں کی وجہ سے طلبہ و طالبات کا ایک پورا سمسٹر ضائع ہوا۔ اس کا ذمہ دار کون ہے۔ اس پر مستزاد پرامن احتجاج کرنے والے طلبہ پر مخصوص گروہ پولیس کے ذریعے طلبہ پر گولیاں برسائی گئی۔ کیا عوام کی محافظ پولیس عوام پر دن دھاڑے گولیاں برساتی ہے؟ کیا لاء اینڈ آرڈر اسی کا نام ہے کہ بے گناہ لوگوں پر گولیوں کی برسات کی جائے۔ پولیس اپنے فرائض منصبی سے رہے قاصر اور چلے نہتے لوگوں پر ظلم کرنے۔ اگر ان میں اتنی اخلاقی جرأت ہوتی تو انتظامیہ اور یونیورسٹی کے منع کرنے کے باوجود یونیورسٹی میں دہشت گردانہ طور پر پروگرام کرنے اور قانون کی دھجیاں اڑانے والوں کو روکتی، ان کو قانون کے کٹہرے پر لاتی مگر اے کاش ایسا نہیں ہوا، الٹا مظلوم کو نشانہ بنایا گیا۔

محرم الحرام کے دوران سبیل کے نام پر نئے فتنوں کا آغاز کر کے امن معاہدے کو رسوا کیا گیا۔ بدامنی پیدا کرنے کی بھرپور کوشش کی گئی۔ اہل سنت کے احتجاج پر وقتی طور پر پابندی لگانے کے احکامات جاری ہونے کے باوجود وزراء کی سرپرستی میں سرکاری آفیسران اور ملازمین کی خرمستیاں قابل افسوس ہیں۔ ان انتظامی خلاف ورزیوں کے آج تک کوئی کاروائی عمل میں نہیں لائی گئی۔ چہلم کے موقع پر کفر اور تبرا کی حد کر دی گئی۔ الامان والحفیظ۔ انتظامیہ کو چاہیے کہ فوری طور پر قانونی مواخذہ میں لائے۔ بصورت دیگر گلگت کے حالات ماضی سے بھی زیادہ تلخ ہونگے۔ وزیر اعلیٰ ایسے گھناؤنے افعال میں ملوث لوگوں کو تحفظ دینے سے باز رہے اور قانون کی بالادستی کو یقینی بنایا جائے۔

قیام امن کے لیے سب سے بہتر تجویز یہ ہے کہ امن معاہدہ 2005ء اور مساجد ایکٹ 2012ء کو من وعن نافذ کیا جائے تو کوئی بات نہیں کہ امن قائم نہ ہو سکے۔ ہم نے ماقبل کی سطور میں بہت سی خرابیوں کی نشاندہی کی ہے ان تمام خرابیوں کو بھی دور کیا جانا چاہیے۔ امن معاہدہ اور مساجد ایکٹ کو نافذ العمل بنانے کے لیے وفاقی انتظامیہ، مقامی انتظامیہ، تمام سیاسی و مذہبی پارٹیاں، حساس ادارے، عدلیہ، وکلاء، صحافی، بار ایسوسی ایشنز، سول سوسائٹی، طلبہ و اساتذہ، تاجر برادری غرض سب میں اخلاقی و اختیاری جرأت ہونی چاہئے۔ اگر آج بھی اس جرأت کا مظاہرہ نہ کیا گیا تو حالات ہمارے ہاتھ میں نہیں رہیں گے۔

ہم مزید چند ایک تجاویز مکمل خلوص اور دردمندی کے ساتھ پیش کرتے ہیں،

ا.... کراچی ایم اے جناح اور دیگر سانحات کے تناظر میں اب ضروری ہو گیا ہے کہ ماتمی جلوسوں پر کھلے عام راستوں، شاہراہوں، عوامی مقامات اور بازاروں میں پابندی عائد کر کے عبادت گاہوں اور رسوم خانوں تک محدود کیا جائے۔

۲.... ماتمی جلوسوں کی طرح دیگر وہ تمام جلوس، اجتماعات ومجالس جن سے بدامنی، خوف وہراس، فرقہ وارانہ تصادم اور دیگر نقصانا
وقوع پذیر ہوتے ہوں کو عبادتوں گاہوں اور مخصوص جگوں تک محدود کیا جائے۔ کھلے مقامات پر مکمل پابندی عائد کی جائے۔

۳... محرم الحرام کے مبارک مہینے میں سکیورٹی کے نام پر پورا مہینہ کروڑوں روپے خرچ کرنے سے گریز کیا جائے،
پورا مہینہ انسانی معاشرتی زندگی معطل کرنے اور انتظامیہ کو غیر فعال کرنے سے مکمل اجتناب کیا جائے۔

۴.... شاہراہ قراقرم کی سکیورٹی انتہائی لازمی ہے مگر اس کے لیے گلگت، ہنزہ نگر، اور جگلوٹ سے اسکردو چپلو تک کی سڑک
کو محفوظ بنانا ازحد ضروری ہے۔ ہر علاقے کی شاہروں کی حفاظت کے لیے انہی علاقوں کے لوگوں کو فورسز میں بھرتی کیا جائے۔
ان کو فوجی طرز کی ٹریننگ دی جائے۔ اگر وہ غفلت کا مظاہرہ کریں تو ان کو قانون کے مطابق سخت سزا دی جائے۔ نیز شاہراہ قراق
میں سکیورٹی کے نام پر بسوں کو گھنٹوں گھنٹوں روک کر مسافروں کو اذیت ناک سزا کے تسلسل کا خاتمہ کیا جائے۔

۵.... قراقرم یونیورسٹی ایک تعلیمی ادارہ ہے۔ اس کو تعلیمی دتحقیقی ادارہ ہی رہنے دیا جائے۔ کسی بھی قسم کے مسلکی، بے ح
اور اسلام وعلاقہ دشمنی پر مبنی پروگرامات کا انعقاد قطعی ممنوع ہوں اور خلاف ورزی کرنے والوں کے ساتھ آہنی ہاتھوں سے
جائے۔ لوکل انتظامیہ کے بعض مخصوص لوگوں اور عدلیہ کے کچھ ججوں کو یونیورسٹی کے معاملات میں دخل اندازی سے روکا جائے۔

۶.... قراقرم یونیورسٹی کا وائس چانسلر کسی فوجی جرنیل کو بنایا جائے بصورت دیگر یونیورسٹی میں پاک آرمی کی اقا
پوسٹ قائم کی جائے تاکہ ہرا یرا غیرا کو یونیورسٹی کے معاملات کو دخل اندازی سے روکا جاسکے۔

۷.... گلگت بلتستان میں رہائش پذیر تمام مسالک ومکاتب کے متنازعہ کتب، سی ڈیز اور دیگر مواد پر پابندی عائد
جائے جو گلگت بلتستان بالخصوص گلگت ایریا میں لڑائی جھگڑے کا سبب بن رہے ہیں۔

۸.... مقامی اور غیر مقامی ایسے تمام علماء، ذاکرین، واعظین، مجتہدین پر گلگت بلتستان کے کسی بھی علاقے میں کسی
قسم کا پروگرام میں شرکت کرنے، تقریر وخطبہ دینے اور مجلس پڑھنے پر پابندی لگادی جائے جن کی باتوں، تقاریر اور مجلسوں
عوام میں ہیجان اور منافرت پھیلتی ہوں۔ پبلک مقامات پر ایسے جلسوں کا انعقاد قانونی جرم قرار دیا جائے۔

۹.... گلگت بلتستان میں میڈیا یک طرفہ ٹریفک چلاتا ہے۔ اس کے لیے مناسب قانون سازی کی جائے اور میڈیا
لیے ضابطہ اخلاق تیار کیا جائے کہ وہ منافرت، بدامنی، انتشار اور کسی کی طرف داری کے بجائے حقائق سامنے لائے
معاشرتی اتحاد واتفاق کی سرگرمیوں پر زیادہ سے زیادہ توجہ دے سکے۔ شوشل میڈیا میں بھی اصلاح کی سخت ضرورت ہے۔

۱۰... تمام مسلکی عبادات ورسومات کو معبد خانوں اور رسوم خانوں تک محدود کیا جائے۔ اگر کوئی اصرار کرتا ہے کہ ا
خودساختہ رسومات عبادات ہیں تو عبادت خانوں میں عبادات بجالائے جائے۔ عبادات روڈ اور تعلیمی اداروں پر ادا نہیں
جاتے ہیں۔ اور ساتھ ساتھ مقررین کی سخت نگرانی جانی چاہیے تاکہ وہ متنازعہ تقاریر اور ہزلیات سے باز رہے۔ بصورت د
قانون کے کٹہرے میں لایا جائے۔

☆... سہ ماہی نصرۃ الاسلام کے اسی شمارے میں 2005ء کا امن معاہدہ بھی مختصر تبصرے کے ساتھ پیش کیا جارہا
تاکہ امن کے نام نہاد علمبرداروں کا مکروہ چہرہ ان کے آئینے میں دکھایا جاسکے۔ اگر قیام امن کے لیے اس امن معاہدے پر
عمل کیا جائے تو کسی حد تک معاشرتی بگاڑ ختم ہوسکتی ہے۔ ہمارے ہاں تو امن معاہدے اور ضوابط اخلاق دھوم دھام اور شو
شغف میں تیار ہوتے ہیں اور پھر ان کو اس بے دردی سے ردی کی ٹوکری میں پھینک دیے جاتے ہیں کہ انسان انگشت بدندا

رہ جاتا ہے کہ یا اللہ یہ کیا ماجرا ہے کہ کل تو جو لوگ ان معاہدوں اور ضوابط کے لیے اخباری بھڑکیں مار رہے تھے آج وہ اپنے تیار کردہ امن ڈرافٹوں سے کیوں دور بھاگ رہے ہیں۔ اور علی الاعلان کہہ دیتے ہیں کہ ہم نے کسی امن معاہدے پر دستخط نہیں کیے۔ اور وہ لوگ بھی قابل افسوس ہیں جو ان معاہدوں اور ضوابط کے حوالے سے اپنی سیاست چمکانے کے لیے ڈھٹائی سے جھوٹ بولتے ہیں اور یہ جھوٹ مساجد اور اپنی جماعت کے اہم اجلاسات میں بولا جاتا ہے۔ جس قوم میں معاہدوں کی پامالی اور جھوٹ بولنا اتنا رواج پکڑے کہ وہ مثال بن جائے تو ایسی قومیں عذاب الٰہی سے نہیں بچ سکتیں۔ وہی لوگ آج ذاتی مفادات اور عہدوں کے حصول کے لیے گلگت بلتستان کو صوبہ بنانے کی مشق بے جا میں لگے ہوئے ہیں یا بنانے والوں کی لے میں لے اور کندھے کے ساتھ کندھا ملانے میں مصروف ہیں۔ حالانکہ عوام میں ان کی ساکھ بری طرح مجروح ہے۔ ہم نے اپنے ذمہ دار ساتھیوں کے ساتھ گلگت بلتستان کی آئینی صورت حال کے حوالے سے درپیش مشکلات کا تذکرہ جب حضرت مولانا فضل الرحمان دامت برکاتہم کے پاس کیا تو حضرت نے زور دیکر کہا کہ آپ کا بقاء، گلگت بلتستان کا بقاء کشمیر کے ساتھ وحدت میں ہے، آپ اس کے لیے ہر فورم میں کوشش کریں اور ہمارا تعاون بھی آپ کے ساتھ رہے گا۔ اپنی جماعت سے تعلق رکھنے والے ذمہ داروں کو بھی ڈانٹ کر کہا کہ آپ لوگ بھی جماعت کے موقف پر گلگت بلتستان میں سختی کے ساتھ ڈٹے رہو مگر آج بھی مولانا صاحب کی جماعت کے گلگت بلتستان کے کچھ ذمہ دار لوگ اپنے جماعتی موقف اور قائد کی ہدایات کے خلاف ورزی کرتے ہوئے ایسے لوگوں کے ساتھ کندھے ملاتے چلتے ہیں جو کسی بھی صورت مملکت پاکستان اور گلگت بلتستان کے ساتھ، اہل سنت عوام کے ساتھ مخلص نہیں ہیں۔ انہیں اپنی اداؤں پر جلد نہیں تو دیر سے ضرور افسوس ہوگا۔ اب بھی وقت نہیں گیا ہے، انہیں سنجیدگی سے اپنی حرکتوں پر غور کرنا چاہیے۔

نوٹ: گلگت بلتستان میں موجودہ دنوں وجود پذیر آنے والی عوامی ایکشن کمیٹی کے ساتھ تنظیم اہل سنت والجماعت مضبوطی سے کھڑی ہوئی۔ تنظیم کے جنرل سیکرٹری محمد نواز خان اور رہنماء مولانا نار ئیس کو ایکشن کمیٹی کی مکمل معاونت کرنے کا کام سونپا گیا اور انہوں نے آخری دم میدان میں اعلیٰ کردار کا مظاہرہ کیا۔ اور انہوں نے نگرانی کا عمل جاری رکھا تاکہ کوئی ملک و ملت دشمنی پر مبنی کوئی واقعہ نہ ہو۔ اس موضوع پر کسی اور موقعے پر گفتگو کی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے ہم سب کو اپنے حفظ وامان میں رکھے۔ آمین

سانحہ تعلیم القرآن ...... ایک اندوہناک سانحہ

جامعہ تعلیم القرآن پاکستان کی اولین دینی درسگاہوں میں سے ایک ہے۔ شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان رحمہ اللہ نے اپنی پوری عمر اس جامعہ کی آبیاری کی۔ زندگی کا اکثر حصہ یہاں سے توحید وسنت کو عام کرنے میں گزاری۔ پاکستان کی علمی، تحقیقی، دینی و مذہبی سیاسی تاریخ میں شیخ القرآن رحمہ اللہ اور جامعہ تعلیم القرآن کا نمایاں حصہ ہے۔ جامعہ تعلیم القرآن کے سانحہ پر اخبارات ورسائل میں بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ شاید اتنا کچھ کسی اور سانحہ پر لکھا گیا ہو۔ حضرت شیخ نے اس کی بنیاد قیام پاکستان سے پہلے ہی ڈالی تھی۔ 1939 سے اب تک جامعہ تعلیم القرآن سے علم تقسیم ہوتا رہا۔ اور اس جامعہ میں دنیا و جہاں سے اہل علم بلاتفریق مسلک و مذہب اور پارٹی آتے رہے۔ پوری اسلامی دنیا سے اہل علم کی ایک بڑی تعداد نے جامعہ کی زیارت کی اور حضرت شیخ القرآن سے رہنمائی حاصل کی اور دینی معاملات میں مشاورت کی۔ گلگت بلتستان سے تعلق رکھنے والے ہزاروں علماء و مفتیاں عظام نے حضرت شیخ القرآن رحمہ اور جامعہ تعلیم القرآن سے استفادہ کیا۔ آج بھی گلگت

بلتستان بالخصوص ضلع دیامر میں حضرت رحمہ اللہ کے ہزاروں خوشہ چیں موجود ہیں جو ہمہ وقت درس قرآن میں منہمک ہیں۔

میرے والد ماجد حضرت مولانا قاضی عبدالرزاق نوراللہ مرقدہ (فاضل دارالعلوم دیوبند) کے دوسرے اکابر کی طرح حضرت شیخ القرآنؒ کے ساتھ بھی گہرے مراسم تھے۔ جب دارالعلوم دیوبند کی صد سالہ کانفرنس منعقد ہوئی تو والد صاحب کو بھی دارالعلوم سے دعوت نامہ آیا تھا۔ گلگت چونکہ پاکستان کے پسماندہ علاقہ ہے اس وقت تو سفری سہولیات بھی ناپید تھی۔ والد صاحب آخری دنوں میں راولپنڈی پہنچے۔ حضرت شیخ القرآن صاحب کے پاس گئے اور سارا ماجرا سنایا تو شیخ القرآنؒ نے والد ماجد کی ملاقات جنرل ضیاء الحق مرحوم سے کروائی اور ضیاء مرحوم سے تعارف کروانے لگے تو انہوں نے کہا کہ میں انہیں جانتا ہوں، یہ گلگت کے شیر ہیں میری ملاقات ہوئی ہے وہاں ان سے۔ یوں ایک دن میں پارسپورٹ، ویزہ اور دیگر تمام سفری لوازمات پورے کیے گئے۔

جامعہ تعلیم القرآن ہر دینی تحریک کا ہیڈ کوارٹر رہا ہے۔ تحریک ختم نبوت اور مدح صحابہ میں اس ادارے کا کردار سب سے اولین اور بھاری رہا ہے۔ دس محرم الحرام کو شر پسند دہشت گردوں نے جامعہ تعلیم القرآن، جامع مسجد، لائبریری، قرآن پاک اور احادیث کی سینکڑوں کتب اور مدینہ مارکیٹ جو کہ جامعہ کی ملکیت ہے کو جلا کر بھسم کر دیا۔ ایک محتاط انداز نے مطابق دس ارب کا نقصان ہوا۔ مگر پھر جامعہ تعلیم القرآن کے منتظمین، وفاق المدارس اور اہل سنت نے صبر کا دامن ہاتھ سے جانے نہیں دیا کیونکہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی بھی یہی تعلیمات ہیں۔ انہوں نے بھی میدان کربلا میں پورا خاندان کٹوایا مگر شکوہ نہیں کیا بلکہ اللہ کی رضا پر خوش رہے۔

آج راولپنڈی میں بھی دشمنانِ حسین نے جامعہ تعلیم القرآن کے معصوم طلبہ کو ذبح کیا، جلا ڈالا اور گولیوں سے بھون ڈالا۔ خدا تعالیٰ وارثین حسینؓ کو صبر کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور دشمنان حسین کا منہ کالا کرے۔ ہم حکومت وقت سے پرزور مطالبہ کرتے ہیں کہ ہنگامی بنیادوں پر دہشت گردوں کو بے نقاب کر کے کیفر کردار تک پہنچائے اور نقصانات کا ازالہ کرے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ سانحہ جامعہ تعلیم القرآن ہر لحاظ سے قابل مذمت ہے۔ یہ تاریخ انسانیت کی بدترین مثال ہے۔

مختلف اخبارات کی تحقیقی رپورٹوں اور باخبر ذرائع کے مطابق اس سانحہ میں گلگت بلتستان کے دہشت گرد ملوث ہیں۔ سوشل میڈیا میں ان کے نام چہرے اور جائے سکونت سب دیے گئے ہیں، لہذا حکومت پنجاب کی قائم کردہ جوڈیشل کمیشن اپنا دائرہ تحقیقات گلگت بلتستان تک بڑھائے اور امن وامان اور سماجی ومعاشرتی زندگی کے لیے تباہ کن صورت اختیار کرنے والے تمام اسباب وعلل کا جائزہ لے کر ان سارے اسباب وعلل کے انسداد کے لیے جارحانہ سفارشات پیش کر کے اور حکومت کو مجبور بھی کرے کہ وہ ان پر عمل یقینی بنائے۔ یہ ایک ایسا دردناک سانحہ ہے جس کی ہر سطح پر شدید مذمت کی جانی چاہیے۔

والسلام مع الاکرام نثار احمد عفی عنہ

☆☆☆☆

سیرت ہادی دو عالم ﷺ

آپ ﷺ بحیثیت تاجر

مقالہ نگار: **پروفیسر ڈاکٹر صلاح الدین ثانی**

صدر: شعبۂ اسلامیات، قائد ملت گورنمنٹ ڈگری کالج لیاقت آباد کراچی، سپروائزر: ایم فل/ پی ایچ۔ ڈی شعبہ قرآن والسنۃ، فیکلٹی اسلامک اسٹڈیز جامعہ کراچی، وفاقی اردو یونیورسٹی کراچی، ہائر ایجوکیشن کمیشن اسلام آباد، پاکستان

....

آپ ﷺ صادق و امین تاجر:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمہ گیر شخصیت کے جس پہلو کا تذکرہ ہم اب کر رہے ہیں وہ اس لئے بہت اہم ہے کہ اس کا تعلق ہماری مادی جدوجہد سے ہے۔ انسان کی جسمانی ضروریات کا پیہم تقاضا ہوتا ہے کہ ان کی تسکین کے لئے تگ و دو کی جائے اور انسان ہوش سنبھالتے ہی جسم و جان کے رشتے کو برقرار رکھنے کے لئے مصروف عمل ہو جاتا ہے۔

انسان کی غیر ترقی یافتہ زندگی سے لے کر متمدن دور کی رنگینیوں تک بنیادی ضروریات کی تسکین ایک اہم انسانی مسئلہ رہا ہے۔ یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ یہ انسان کا اولین مسئلہ ہے۔ شہریت، شرافت، روحانیت سب کا تعلق انسان کی زندگی سے ہے اور زندگی کا دارومدار اس کی خوراک ولباس اور رہن سہن پر ہے۔ انسان نے اس اولین مسئلے کو حل کرنے کے لئے زراعت، تجارتی، مزدوری اور پھر ملازمت وغیرہ کے طریقے اختیار کئے۔ ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پیغمبرانہ زندگی سے پہلے عملی جدوجہد میں جس پیشے کو اختیار کیا وہ تجارت تھی۔ مکہ تجارت کی منڈی تھی۔ یہاں سے سامان مختلف علاقوں میں جاتا تھا۔ قریش کے کاروان تجارت گرمیوں اور سردیوں میں سرگرم سفر ہوتے تھے۔ قرآن کریم نے اہل مکہ کی اس کیفیت کا ذکر کیا ہے۔

لِإِيلَافِ قُرَيْشٍ ۝ إِيلَافِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَاءِ وَالصَّيْفِ ۝ فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هَٰذَا الْبَيْتِ ۝ الَّذِي أَطْعَمَهُم مِّن جُوعٍ وَآمَنَهُم مِّنْ خَوْفٍ ۝ (۱)

قریش کے مانوس کرنے کے سبب (یعنی) ان کو سردی اور گرمی کے سفر سے مانوس کرنے کے سبب (لوگوں کو) چاہئے کہ (اس نعمت کے شکر میں) اس گھر کے مالک کی عبادت کریں، جس نے ان کو بھوک میں کھانا کھلایا اور خوف سے امن بخشا۔

تجارت انسانی معاشرہ کی بنیادی ضرورت رہی ہے، انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے مطابق:

Nevertheless trade, a regular series of acts of exchange, is distinct feature in the life of primitive people, even the lowest, who live by hunting and collecting forest products. The principle of reciprocal transfer of goods, of giving and taking seems, in fact to be deep-rooted in human nature.(۲)

آپ ﷺ کا تجارتی پس منظر:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد تک تو تجارت مختلف مراحل طے کر کے انسانی معاشرت میں اہم مقام حاصل کر چکی تھی۔ آپ ﷺ نے تجارت کو بطور پیشہ کیوں اپنایا؟ اس کے دو سبب ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ مکہ کے شرفاء کا یہی پیشہ تھا اور آپ ﷺ کے خاندان و قبیلہ کے لوگ اسی پیشہ سے وابستہ تھے۔ اس لئے آپ ﷺ کا اسی طرف رجحان ہوا۔ دوسرے یہ کہ آپ ﷺ کے طبعی اور ذاتی میلانات نے آپ ﷺ کو ادھر متوجہ کیا۔

ابوطالب، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے چنانچہ عبدالمطلب دنیا چھوڑتے وقت پوتے کو ان کے سپرد کر گئے۔ ابوطالب، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قدر محبت رکھتے تھے کہ آپ ﷺ کے مقابلہ میں اپنے بچوں کی پروہ بھی نہیں کرتے تھے۔ (۳) ابوطالب تجارت کیا کرتے تھے، اس سلسلہ میں اکثر شام آیا کرتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر تقریباً بارہ برس تھی کہ ابوطالب نے شام کے سفر کا ارادہ کیا۔ سفر کی صعوبتوں کے خیال سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ساتھ نہیں لے جانا چاہتے تھے، لیکن جب ابوطالب چلنے لگے تو آپ ﷺ ان سے لپٹ گئے۔ ابوطالب نے آپ ﷺ کی دل شکنی گوارا نہ کی اور ساتھ لے لیا۔ (۴)

اس پہلے سفر کے نتیجہ میں آپ ﷺ کا خیال تجارت کی طرف ہوا جو آپ ﷺ کا خاندانی شغل تھا آپ ﷺ کو اس کا خاصا تجربہ بھی تھا لیکن سرمایہ کی قلت کی وجہ سے مستقل کاروبار نہیں کر سکتے تھے۔ آپ ﷺ کی دیانت، تجربے اور حسن معاملہ کی شہرت ہر طرف پھیل چکی تھی اس لئے مالدار لوگ منافع کی شرکت پر آپ ﷺ کو سرمایہ دیتے تھے۔ آپ ﷺ نہایت محنت اور دیانت کے ساتھ ان کا کام کرتے تھے۔ تجارت کی غرض سے شام، بصرہ اور یمن کے متعدد سفر کئے اور آپ ﷺ کی دیانت داری کی شہرت دور دور تک پھیل گئی۔ (۵)

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا قریش کی ایک معزز، پاکیزہ اخلاق اور دولت مند بیوہ تھیں۔ ان کا تجارتی کاروبار نہایت وسیع تھا۔ جب اہل مکہ کا قافلہ تجارت کو روانہ ہوتا تھا تو اکیلا ان کا سامان تمام قریش کے برابر ہوتا تھا۔ (۶)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تجارتی تجربات اور دیانت داری کا شہرہ سن کر خدیجہؓ نے درخواست کی کہ میرا سامان فروخت کرنے کے لئے شام لے جایئے۔ آپ ﷺ نے منظور کر لیا اور خدیجہ کا سامان لے کر بصرہ تشریف لے گئے۔ اس سفر میں خدیجہ کا غلام میسرہ ساتھ تھا۔ اس نے سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جو اخلاق و عادات مشاہدہ کئے تھے واپس آ کر اپنی مالکہ سے بیان کئے۔ خدیجہؓ آپ ﷺ کے پاکیزہ اخلاق سے پہلے سے آگاہ تھیں۔ میسرہ کے بیان سے تصدیق ہوگئی۔ چنانچہ انہوں نے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شادی کی درخواست کی، حالانکہ اس سے پہلے بڑے بڑے سرداروں کی درخواست نکاح کو رد کر چکی تھیں۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی درخواست منظور فرمالی ابوطالب نے بنو ہاشم اور روسائے مصر کے اجتماع میں پانسو طلائی درہم پر نکاح پڑھایا۔ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر ۲۵ سال اور حضرت خدیجہؓ کی ۴۰ سال تھی:۔ (پانچویں پشت میں دونوں کا نسب نامہ مل جاتا ہے۔) (۷)

آپ ﷺ کے خاندان کے لوگ اسی پیشے سے وابستہ تھے، عرب اور خصوصاً قریش (بنو اسماعیل) ظہور اسلام سے برسہا برس پہلے سے تجارت کے پیشہ سے وابستہ تھے۔ (۸) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جداعلیٰ ہاشم نے قبائل عرب سے معاہدے کر کے اس خاندانی اکتساب کو زیادہ مستحکم اور باقاعدہ کر دیا تھا۔ (۹) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب بھی تاجر

تھے اور آپ ﷺ نے بچپن میں ان کے ساتھ بعض تجارتی سفر کئے تھے۔(۱۰) اس لئے جب آپ ﷺ کو قبل از نبوت فکر معاش ہوئی تو آپ ﷺ نے یہی شغل اختیار فرمایا۔ آپ ﷺ نے متعدد تجارتی سفر بھی اختیار کئے۔(۱۱) جن میں شام، بصرہ اور یمن کے سفر مشہور ہیں۔ عرب میں مختلف مقامات پر جو بازار قائم تھے ان کا ذکر ابن سید الناس نے کیا ہے۔(۱۲) اسی طرح جرش جو یمن میں ہے، اس کے سفر کا بھی پتہ چلتا ہے۔ حاکم نے مستدرک میں لکھا ہے اور علامہ ذہبیؒ نے بھی تصدیق کی ہے کہ جرش میں آپ ﷺ دو دفعہ تشریف لے گئے اور ہر دفعہ حضرت خدیجہؓ نے معاوضہ میں اونٹ دیا۔ عرب میں رواج تھا کہ شراکت پر تجارتی کاروبار ہوتا تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شہرت کے پیش نظر حضرت خدیجہؓ نے آپ ﷺ کو باہر کے اسفار کے لئے تیار کیا۔ حدیث وسیرت کی کتابوں میں ان سفروں کی تفصیلات موجود ہیں۔(۱۳) آپ ﷺ نے بطور تاجر اندرون ملک اور بیرون ملک کام کیا، شراکت بھی کی اور مختلف لوگوں سے کاروباری معاملات بھی ہوئے۔(۱۴) آپ ﷺ نے بہترین انسانی کردار کا مظاہرہ کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شرکائے تجارت کی شہادتوں سے پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ کس دیانتداری اور راستبازی سے اس کام کو انجام دیتے تھے۔

آپ ﷺ کا بحیثیت تاجر کردار:

اگرچہ تاجر کے طور پر آپ ﷺ نے بہت زیادہ وقت نہیں گزارا، تاہم قبل از نبوت کی زندگی میں آپ ﷺ کی تاجرانہ مشغولیتیں بڑی اہمیت رکھتی ہیں۔ آپ ﷺ کی اس حیثیت سے بحث کرتے ہوئے دو پہلو خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ایک یہ کہ بطور تاجر آپ ﷺ کی مصروفیتوں کا ذکر کیا جائے اور دوسرے وہ اصلاحات جو اس میدان میں آپ ﷺ نے کی ہیں، بیان کی جائیں۔

بقول علامہ شبلیؒ تاجر کے محاسن اخلاق میں سب سے زیادہ نادر مثال ایفائے عہد اور اتمام وعدہ کی ہوسکتی ہے۔ لیکن منصب نبوت سے پہلے مکہ کا تاجر امین اس اخلاقی نظیر کا بہترین نمونہ تھا۔(۱۵)

حدیث کی کتابوں میں مذکور مثالوں سے آپ ﷺ کی ان صفات کا پتہ چلتا ہے۔

عن عبداللہ بن ابی الحمساء قال: بایعت النبی ﷺ قبل ان یبعث و بقیت له بقیه فوعدة ان اتیه بها فی مکانه فنسیت فذکرت بعد ثلاث فاذا هو فی مکانه فقال: لقد شققت علی انا ههنا منذ ثلاث انتظرك۔(۱۶)

حضرت عبداللہ بن ابی الحمساء بیان کرتے ہیں کہ بعثت سے پہلے میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خرید وفروخت کا کوئی معاملہ کیا تھا، کچھ معاملہ ہو چکا تھا، کچھ باقی تھا، میں نے وعدہ کیا کہ پھر آؤں گا۔ اتفاق سے تین دن تک مجھ کو اپنا وعدہ یاد نہ آیا۔ تیسرے دن جب وعدہ گاہ پر پہنچا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی جگہ منتظر پایا۔ لیکن اس خلاف وعدہ سے آپ ﷺ کی پیشانی پر بل تک نہ آیا۔ صرف اس قدر فرمایا کہ تم نے مجھے زحمت دی میں اسی مقام پر تین دن سے موجود ہوں۔

آپ ﷺ کاروبار تجارت میں ہمیشہ اپنا معاملہ صاف رکھتے تھے، نبوت سے پہلے جن لوگوں سے تجارت میں آپ ﷺ کا سابقہ تھا وہ بھی اس کی شہادت دیتے ہیں۔ سائب نامی ایک صحابی جب مسلمان ہو کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو لوگوں نے ان کی تعریف کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

انی اعلمکم یعنی به قلت صدقت بابی و أمی کنت شریکی فنعم الشریك کنت لاتناری

ولا تماری (۱۷)
میں ان کو تم سے زیادہ جانتا ہوں۔ سائب نے کہا آپ ﷺ پر میرے ماں باپ قربان ہوں۔ آپ ﷺ میرے شریک تجارت تھے، کتنے اچھے شریک تھے۔ نہ کھینچا تانی کرتے اور نہ جھگڑا کرتے۔

قیس ؓ بن سائب مخزومی ایک صحابی بھی آپ ﷺ کے شریک تجارت تھے۔ وہ بھی انہی الفاظ کے ساتھ آپ ﷺ کے حسن معاملہ کی شہادت دیتے ہیں۔ (۱۸) تجارت اور دیگر معاملات میں آپ ﷺ کی دیانت اور امانت ایک مسلمہ امر تھی۔ چنانچہ حجر اسود کے مسئلہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے ہی جو آواز اٹھی وہ الصادق والامین کی تھی۔ (۱۹) حسن معاملہ، صداقت وامانت، ایفائے عہد کے حوالہ سے آپ ﷺ مثالی شخصیت ہیں۔

امام بخاریؒ نے کتاب الادب میں ایک باب باندھا ہے جس کا عنوان ہے "حسن العهد من الایمان" (۲۰) حافظ ابن حجر نے بیہقی کے حوالے روایت کیا ہے کہ ایک بڑھیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ آپ ﷺ نے اس سے کہا تم کیسی ہو؟ تمہارا کیا حال ہے؟ ہمارے بعد تمہارا کیا حال رہا؟ اس نے کہا اچھا حال رہا۔ جب وہ چلی گئی تو حضرت عائشہ ؓ نے کہا آپ ﷺ نے اس بڑھیا کی طرف اس قدر توجہ فرمائی؟ فرمایا عائشہ! یہ خدیجہ ؓ کے زمانے میں ہمارے ہاں آیا کرتی تھی اور حسن عہد ایمان سے ہے، یعنی اپنے ملنے جلنے والوں سے حسب توقع یکساں معاملہ رکھنا ایمان کی نشانی ہے۔ حضرت انس ؓ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہر خطبہ میں فرمایا کرتے تھے:

لا دین لمن لا عهد له (۲۱)

جس میں عہد نہیں اس میں ایمان نہیں۔

آپ ﷺ کی اس خصوصیت کا دشمن بھی اعتراف کرتے ہیں۔ چنانچہ قیصر نے اپنے دربار میں ابوسفیان سے جو سوالات کئے ان میں ایک یہ بھی تھا کہ کبھی محمد ﷺ نے بدعہدی بھی کی ہے؟ ابوسفیان کو مجبوراً یہ جواب دینا پڑا کہ نہیں۔ (۲۲)

تجارت کی اہمیت وفضیلت:

تجارت کی طرف آپ ﷺ نے اس لئے خصوصی توجہ فرمائی، کیونکہ معیشت میں اسے بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ قرآن وسنت نے بار بار تجارت کی ترغیب دی اور اس کے فضائل بیان کئے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ۔ (۲۳)

جب نماز پوری ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ تعالیٰ کے فضل ورزق کو تلاش کرو۔

وَلَا تَاْكُلُوْا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ (۲۴)

اپنے اموال کو آپس میں باطل کی راہ (غلط طریقہ) سے نہ کھاؤ بلکہ باہمی رضامندی کے ساتھ تجارت کی راہ سے نفع حاصل کرو۔

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ (۲۵)

اے ایمان والو! خرچ کرو ان چیزوں میں سے جو تم نے کمائی ہیں۔

اسی طرح ارشاد نبوی ﷺ ہے:

عن ابی سعید قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم، التاجر الصدوق الامین مع

النبيين و الصديقين و الشهداء (۲۶)

ابو سعید کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سچا اور امین تاجر نبیوں، صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔

عن المقدام بن معديكرب قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ما اكل احد طعاما قط خيراً من ان ياكل من عمل يديه و ان نبى الله داؤد كان ياكل من عمل يديه(۲۷)

حضرت مقدام بن معدیکرب کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی شخص نے کبھی ایسا کھانا نہیں کھایا جو اس کھانے سے بہتر ہو جو ہاتھ کی محنت سے حاصل ہوا اور خدا کے نبی داؤد ہاتھ کی کمائی سے کھاتے تھے۔

عن عبيد بن رفاعة قال: التجار يحشرون يوم القيامة فجارا الامن اتقى الله و بر و صدق۔(۲۸)

عبید بن رفاعہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن تاجر فاسق اٹھیں گے، الا یہ کہ انہوں نے تقویٰ، بھلائی اور سچائی سے کاروبار کیا ہو۔

آپ ﷺ کی تجارتی اصلاحات:

ان دلائل سے تجارت کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے، لیکن عرب معاشرے میں بالخصوص اور پوری دنیا میں بالعموم غلط طرز نے تجارت میں راہ پالی تھی اور بعض مفاسد کی وجہ سے تجارت استحصال کا ایک ذریعہ بن گئی تھی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تجارت کے ضمن میں ایسے اصول وضوابط دیئے اور اس طرح کی اصلاحات تجویز فرمائیں کہ تجارت معاشرے کے لئے نفع بخش وفیض رساں بن جائے۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ سورئہ قریش، آیت اتا۴

۲۔ انسائیکوپیڈیا برٹانیکا، ۳۴۵۲/۳

۳ ابن سعد، طبات ابن سعد، مطبوعه بیروت ۱۹۵۷ء، ج/۱، ص/۸۵

۴۔ المنذری، عبدالعظیم الترغیب و الترهیب، مطبوعه مصر، ج۲، ص۱۳۲

۶۔ السیوطی، جلال الدین، شرح جامع الصغیر (للمناوی)، عیسیٰ البابی الحلبی مصر، ۱۹۵۴ء، ج۲، ص۱۷۷

۵۔ سورئہ القلم، آیت ۴

۷۔ علی متقی الهندی کنز العمال دارالمعارف، حیدرآباد دکن ۱۳۱۰ھ، ج۱، ص۵

۸۔ تورات، تکوین قصه یوسف

۹۔ سهیلی، عبدالرحمن، روض الانف، دارالمعاف مصر، ۱۹۱۴ء ج۲/۵۴

۱۰۔ ایضاً، ۱۱۸/۲

۱۱۔ زرقانی، محمد بن عبدالباقی شرح مواہب اللدنیۃ مطبعۃ الازہریۃ مصر ۱۳۲۵ء، ۱۹۹/۱، طبقات، ۸۲/۱

۱۲۔ نور النبراس شرح ابن سید الناس، بحوالہ سیرۃ النبی ﷺ، ۱۸۹/۱

۱۳۔ عبداللہ مستدرک، دارالمعارف حیدر آباد دکن، ۱۳۳۴ھ، کتاب معرفتہ الصحابۃ، ترجمۃ خدیجۃ، ۱۸۲/۳

۱۴۔ زرقانی، مواہب اللدنیۃ، ج/۱، ص/۱۹۷، سیہلی، روض الانف، ۱۸۸/۱، طبقات، ۱۳۵/۱، مواہب، ۱۹۷/۱۔۱۹۸

۱۵۔ شبلی، سیرۃ النبی ﷺ، ۱۸۶/۱

۱۶۔ ابو داؤد، سلیمان بن اشعث السبحستانی، سنن، ابو دائود، کتاب الادب، باب فی الوعد، ۲۱۸۵

۱۷۔ ایضاً، باب فی کراہیۃ المراء، ۱۷۰۵

۱۸۔ ابن حجر العسقانی الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ مطبع مصطفی محمد، قاہرہ، ۱۳۳۳ء، ترجمہ قیس بن سائب، ج/۵، ص/۳۵۳

۱۹۔ ابن سعد طبقات، ۱۴۶/۱، سیرۃ، ۲۰۹/۱

۲۰۔ البخاری، محمد بن اسماعیل الجامع الصحیح مصطفی البابی الحلبی مصر ۱۹۵۴ء، کتاب الادب، باب حسن العہد من الایمان، ۶۷۷

۲۱۔ احمد بن حنبل، المسند، دارالمعارف مصر ۲۹۳۶ء، ج/۲، ص/۱۲۵، ۱۵۴

۲۲۔ البخاری، صحیح بخاری، باب بدء الوحی، ۵/۱

۲۳۔ سورہ جمعہ، آیت ۱۰

۲۴۔ سورہ نساء، آیت ۳۹

۲۵۔ سورہ بقرہ، آیت ۲۶۷

۲۶۔ ترمذی محمد بن عسیٰ، الجامع الصحیح سنن ترمذی مصطفیٰ البابی الحلبی مصر ۱۹۵۳ء، کتاب البیوع، باب ماجاء فی التجار، ۵۱۵/۳، ابن ماجہ، محمد بن یزید القزوینی سنن ابن ماجۃ مصطفیٰ البابی الحبی مصر، ۱۹۵۳ء، کتاب التجارات، باب الحث علی المکاسب، ۷۲۴/۲

۲۷۔ بخاری، صحیح البخاری، کتاب البیوع، باب کسب الرجل، ۹۳

۲۸۔ دارمی، کتاب البیوع، باب فی التجار، ۲۴۷/۲

سیرت الصحابہؓ (آخری قسط)

خلیفہ ثالث حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ

کے مختصر حالات زندگی

مقالہ نگار: مولانا ظہیر احمد

رفیق شعبہ تصنیف وتالیف: جامعہ نصرۃ الاسلام گلگت

حضرت عثمان غنیؓ کی ہجرت حبشہ:

بیان کیا گیا ہے کہ عثمانؓ ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے مکے سے حبشے کی طرف ہجرت اولیٰ کی اور ہجرت ثانیہ کی۔ ان دونوں میں ان کے ہمراہ ان کی بیوی حضرت رقیہؓ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ دونوں لوط علیہ السلام کے بعد پہلے شخص ہیں جنہوں نے اللہ کی طرف ہجرت کی۔ (۵)

اور لطف یہ ہے کہ حضرت عثمان کا دین کی خاطر ایذائیں سہنا اور کفار کی ایذا رسانی سے تنگ آکر حبشہ کی جانب ہجرت کرنا باوجود کمال تعصب اور عداوت کے علمائے امامیہ بھی تسلیم کرتے ہیں۔ یہاں طول سے بچنے کے لیے باقی کتابوں کے صرف حوالے لکھے گئے ہیں۔ (۶) تاہم نمونے کے طور پر آخر الذکر کتاب کی عبارت ضرور لکھی جاتی ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے پانچویں سال تک کچھ لوگوں نے اسلام قبول کرلیا مگر کفار قریش نے انہیں طرح طرح کی تکلیفیں دینا شروع کردیں تاکہ وہ دین حق سے برگشتہ ہوجائیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مظلوم مسلمانوں کو ہدایت کی کہ جہاں سے ہجرت کر کے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے پاس چلے جاؤ۔ چنانچہ گیارہ مرد اور چار عورتیں چھپ چھپا کر مکہ سے نکلے اور حبشہ کے ارادے سے ساحل دریا پہنچے۔ کفار قریش نے ان کا تعاقب کیا مگر وہ پہلے ہی کشتی میں سوار ہوکر بجانب حبشہ روانہ ہو چکے تھے اس لیے کفار ناکام واپس آگئے۔ یہ مہاجرین شعبان اور رمضان کے دو مہینے نجاشی کے ملک میں رہے اور ماہ شوال میں واپس آگئے ان کے نام یہ ہیں:

۱۔ عثمان بن عفان اور ان کی زوجہ رقیہ ۲۔ زبیر ۳۔ عبداللہ بن مسعود ۴۔ عبدالرحمٰن بن عوف ۵۔ ابو حذیفہ اور ان کی زوجہ سہلہ ۶۔ مصعب بن عمیر ۷۔ ابوسلمۃ بن عبدالاسد اور ان کی زوجہ ام سلمہ ۸۔ عثمان بن مظعون ۹۔ عامر بن ربیعہ اور ان کی زوجہ لیلیٰ ۱۰۔ حاطب بن عمر ۱۱۔ سہیل بن بیضاء۔

یہاں حضرت عثمانؓ کو ان مخلص اور مظلوم مسلمانوں میں شمار کیا گیا ہے۔ جنہوں نے دین کے لیے تکالیف برداشت کیں اور بجائے دین حق کو چھوڑنے کے وطن عزیز کو چھوڑا اور حبشہ کی طرف ہجرت کی۔

آپؓ کی ہجرت مدینہ:۔

محمد بن جعفر بن الزبیرؓ سے مروی ہے کہ جب عثمانؓ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو وہ بنوالنجار میں اوث بن ثابت برادر حسان بن ثابت کے پاس اترے۔ عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں مکانات عطاء کیئے تو اس دن عثمان بن عفان کے مکان کا خط کھینچ دیا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ کھڑکی جو اس روز عثمانؓ مکان کے میں تھی، نبی ﷺ کے دروازے کے سامنے تھی۔ وہ وہی تھی کہ نبی ﷺ جب عثمانؓ کے مکان میں جاتے تو اس سے نکلا کرتے تھے۔ (۷)

حضرت عثمان غنیؓ کا حضرت ابن عوف رضی اللہ عنہ سے عقد مواخاۃ:۔

موسیٰ بن محمد بن ابراہیم نے اپنے والد سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے عثمان بن عفان اور عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے درمیان عقد مواخاۃ کیا۔ کہتے ہیں عثمانؓ اور اوس بن ثابت ابی شداد بن اوس کے درمیان عقد مواخاۃ کیا۔ اور کہا جاتا ہے کہ عثمانؓ اور ابی عبادہ سعد بن عثمان الزرقی کے درمیان عقد مواخاۃ کیا۔ (۸)

حضرت عثمان غنیؓ کا مدینہ میں نیابت رسول ﷺ پر فائز ہونا:۔

ابوالحویرث سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوہ ذات الرقاع میں مدینہ میں عثمان بن عفانؓ کو خلیفہ بنایا۔ نیز رسول اللہ ﷺ نے غزوہ غطفان میں جو نجد کے مقام ذی امر میں ہوا تھا انہیں مدینہ پر خلیفہ بنایا تھا۔ (۹)

آپؓ کا حدیبیہ میں سفیر رسول ﷺ بن کر جانا:۔

پھر آپ ﷺ نے عثمان بن عفان کو روانہ کیا۔ ان سے فرمایا کہ تم قریش کے پاس جاؤ انہیں یہ اطلاع دو کہ ہم کسی خون ریزی کے لیے نہیں آئے۔ ہم تو صرف بیت اللہ کی زیارت کے لیے اس کی حرمت کی تعظیم کے لیے آئے ہیں۔ ہمارے ہمراہ ہدی [قربانی کے جانور] بھی ہیں۔ جسے ہم ذبح کریں گے اور واپس ہو نگے۔ وہ ان کے پاس آئے، اور انہیں خبر دی، تو انہوں نے کہا یہ کبھی نہ ہوگا۔ اور نہ وہ اس سال ہمارے شہر میں داخل ہونے پائیں گے۔ (۱۰)

بیعت رضوان برائے عثمان:۔

رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہوا کہ عثمانؓ شہید کردیے گئے۔ یہی وہ امر تھا جسے رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو بیعت رضوان کی دعوت دی۔ آپ ﷺ نے ان سے درخت کے نیچے بیعت لی، عثمانؓ کے لیے بھی بیعت لی۔ آپ ﷺ نے اپنا بایاں ہاتھ داہنے ہاتھ پر عثمانؓ کے لیے مارا۔ اور فرمایا کہ وہ اللہ کی حاجت اور اس کے رسول کی حاجت میں گئے ہیں۔

عثمانؓ نے پیغمبر ﷺ کے بغیر طواف کرنا گوارا نہیں کیا:۔

یہ وہ فضیلت ہے جس کا معاندین کو بھی اعتراف ہے۔ اور وہ چار و نا چار خلوص عثمان کے معترف ہیں۔ چنانچہ ان کی معتبر کتاب ''فروع کافی'' کتاب الروضہ میں ہے۔

"و بایع رسول الله ﷺ وضرب باحدی یدیه علی الاخری لعثمان وقال المسلمون طوبیٰ لعثمان قد طاف بالبیت و سعی بین الصفا والمروة واحل۔" فقال رسول الله ﷺ ما کان لیفعل۔ فلما جاء عثمان، قال له رسول الله ﷺ: أ طفتَ باالبیت فقال ما کنتُ لا طوف

بالبیت ورسول اللہ ﷺ لم یطف به"۔

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے اپنا ایک ہاتھ عثمان کے لیے دوسرے ہاتھ پر مارا۔ مسلمانوں نے کہا کہ عثمان کتنے خوش قسمت انسان ہیں، کہ بیت اللہ کا طواف کیا اور صفا، مروہ کے درمیان سعی کی اور احرام کھول دیا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عثمان ایسا کرنے والے ہرگز نہیں۔ [کہ میرے بغیر طواف کریں] جب عثمان ؓ آئے تو آپ ﷺ نے پوچھا کہ عثمان! کیا تم نے بیت اللہ کا طواف کیا۔ وہ کہنے لگے میں کیسے طواف کرتا جب کہ اللہ کے رسول ﷺ نے طواف نہیں کیا۔ (۱۱)

اس عبارت سے حسب ذیل باتیں ثابت ہوئیں:

اول: یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ کو عثمان ؓ کے ہاتھ سے تعبیر فرمایا، اور یوں ید رسول ﷺ ید عثمان قرار پایا۔ تو ثابت ہوگیا کہ آپ ؓ بالضرور مومن مخلص تھے، اور منافق نہ تھے، جیسا کہ بعض لوگ کہتے ہیں ورنہ یہ لازم آئیگا کہ رسول اللہ ﷺ کا ہاتھ منافق کا ہاتھ قرار پائے۔ اگر یہ نتیجہ انہیں منظور ہے، تو انہیں آزادی ہے، کہ جو چاہیں وہ کہیں۔ [معاذ اللہ]

دوم: یہ ثابت ہوا کہ عثمان ؓ پیغمبر کے سچے مخلص اور وفادار تھے، جنہوں نے پیغمبر کے بغیر طواف کرنا گوارا نہیں کیا۔

سوئم: یہ ثابت ہوا کہ اس خلوص کی خود پیغمبر نے بھی تائید فرمائی جب ہی تو یہ ارشاد فرمایا کہ "ما کان لیفعل" عثمان ایسے نہیں کہ ہمارے بغیر طواف کریں۔ اور ایسا ہی ہوا جیسا کہ پیغمبر نے فرمایا تھا۔ چنانچہ تفسیر منہج الصادقین میں بھی یہی لکھا ہے کہ عثمان ؓ نے کفار قریش کو دوٹوک الفاظ میں جواب دیا۔ اور کہا "من پیش از رسول طواف نکنم" کہ جب تک رسول اللہ ﷺ طواف نہیں کریں گے میں بھی نہیں کروں گا۔ (۱۲)

عثمان ؓ کی اس حق گوئی اور پیغمبر ﷺ کے ساتھ ان کی کمال وفاداری کو دیکھ کر کفار مشتعل ہو گے، اور انہوں نے عثمان ؓ کو قید کیا۔ چنانچہ منہج الصادقین ہی میں لکھا ہے۔ "وچوں خواست کہ باز گردد مانع اوشدند واور امحبوس ساختند" کہ عثمان ؓ نے لوٹ کر آنا چاہا تو کفار مانع ہوئے اور انہیں قید کیا۔ (۱۳)

اہل بیت کے گھرانوں کو بھی عثمان ؓ ہی نے آباد کیا:۔

چنانچہ کشف الغمہ میں لکھا ہے کہ حضرت فاطمہ ؓ زہراء کے مہر اور جہیز کا انتظام بھی عثمان ؓ ہی نے کیا۔ چنانچہ حضرت علی ؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا اے ابوالحسن! ابھی جاؤ اپنی زرہ بیچ کر جو قیمت بنے میرے پاس لے آؤ، تاکہ میں تمھارے لیے اور اپنی بیٹی کے لیے شادی کا ضروری سامان تیار کروں۔ میں گیا اور چار سو درھم کے بدلے وہ زرہ عثمان ؓ کے ہاتھ فروخت کی۔ میں نے قیمت وصول کرلی اور عثمان ؓ زرہ پر قابض ہو گے۔ تو عثمان ؓ نے کہا اے ابوالحسن! میں اس زرہ کا تم سے زیادہ مستحق نہیں ہوں۔ جب کہ تم ان دراہم کے مجھ سے زیادہ مستحق ہو۔ میں نے کہا ہاں ٹھیک کہتے ہو۔ تو عثمان ؓ کہنے لگے اب یہ زرہ میں تمہیں ہدیہ کرتا ہوں۔ میں زرہ اور درہم دونوں کو لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، درہم اور زرہ دونوں کو آپ ﷺ کے سامنے رکھ کر عثمان ؓ کا واقعہ بیان کیا۔

"فدعاله بخیر وقبض رسول الله ﷺ قبضة من الدراهم ودعاابابی بکر فدفعهاالیه وقال: یا ابابکر! اشتر بهذه الدراهم لابنتی ما یصلح لها فی بیتها وبعث معه سلمان الفارسی وبلالا لیعیناه علیٰ حمل مایشتریه۔"

تو آپ ﷺ نے عثمانؓ کے لیے دعائے خیر فرمائی پھر آپ ﷺ نے مٹھی بھر درہم لے لیئے۔ اور ابو بکرؓ کو بلا کر انہیں دے دیئے۔ اور ارشاد فرمایا اے ابو بکر! ان دراہم میں سے میری بیٹی کے لیے گھر کا ضروری سامان خرید لاؤ، اور ان کے ساتھ سلمان فارسیؓ اور بلالؓ کو بھی بھیجا تاکہ اس سامان کے اٹھانے میں ابو بکر کی معاونت کریں۔ (۱۴)

اس عبارت سے بھی حسب ذیل باتیں ثابت ہوتی ہوئیں:

اول: یہ کہ حضرت علیؓ کی نگاہ بوقت ضرورت حضرت عثمانؓ پر پڑی، اور انکے ہاتھ زرہ بیچنے کی ایک وجہ بھی تھی، کہ حضرت علیؓ کو عثمانؓ کے خلوص کا خوب علم تھا۔ اور وہ جانتے تھے کہ عثمانؓ مجھ سے زرہ خرید کر بمع قیمت پھر واپس کر دیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، کہ حضرت عثمانؓ کو اہل بیت سے اس قدر محبت تھی کہ حضرت علی سے زرہ خرید کر پھر بطور ھدیہ انہیں واپس کر دی اور زرہ کے ساتھ رقم کو بھی واپس کر دی۔

دوم: یہ ثابت ہو کہ حضرت عثمانؓ کے خلوص کی اور اہل بیت کے ساتھ ان کی سچی عقیدت کی خود رسول اللہ ﷺ نے تصدیق فرمائی۔ چنانچہ جب حضرت علیؓ نے آکر عثمانؓ کا واقعہ بیان کیا اور یہ بتایا، کہ پہلے عثمانؓ نے ذرہ خریدی اور پھر بطور ھدیہ وہی زرہ رقم کے ساتھ مجھے واپس لوٹادی۔ تو اس واقعہ کو سن کر رسول اللہ ﷺ نے عثمانؓ کو دعائے خیر دی۔ چنانچہ عبارت کے الفاظ "فدعا لہ بخیر" صریح دلالت کر رہے ہیں کہ یہ دلیل ہے اس بات کی کہ عثمانؓ کا عمل پیغمبر ﷺ کی نظر میں بھی صدق اور خلوص پر مبنی تھا، اور آپ ﷺ عثمانؓ کو مومن، مخلص اور اہل بیت کا سچا محبّ جانتے تھے۔ جس کی بناء پر عثمانؓ کے عمل کو سراہا اور دعائے خیر سے نوازا۔

سوم: یہ ثابت ہوا کہ عثمانؓ کی طرح ابو بکر صدیقؓ بھی مومن، مخلص اور معتمد تھے۔ کیونکہ حضرت فاطمہ زہراء کے جہیز کا سامان لانے کے لیے آپ ﷺ نے ابو بکرؓ ہی کو بازار بھیجا تھا۔ اور حکم میں یہ ارشاد فرمایا تھا کہ میری بیٹی کے لیے جہیز کا سامان خرید لاؤ۔ "ما یصلح لھا فی بیتھا" جو اس کے گھریلو استعمال کے لیے مناسب ہو تو صاف ظاہر ہے کہ بلا شبہ وہ معتمد اور مومن مخلص تھے۔ جس کی بناء پر "مناسب سامان" کا انتخاب ابو بکرؓ ہی کے اعتماد پر چھوڑ دیا۔ ورنہ ایک مخالف سے جو مخلص نہ ہو اور دل میں کینہ بھی رکھتا ہو کب امید کی جا سکتی ہے کہ اہل بیت کے لیے ان کے لائق مناسب سامان خرید لائے۔

ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہی لوگ اعدائے اہل بیت کہلائیں، جنہوں نے شادیوں تک میں اہل بیت کی معاونت کی، اور ان کے گھروں کو آباد کیا اور یوں ان کے محسن ثابت ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ ان کے خلوص کی تصدیق کرتے اور دعائے خیر سے یاد فرماتے تھے۔ غمی اور خوشی کے امور نمٹانے کے لیے انہیں کا انتخاب کرتے۔

آپؓ کی سخاوت اور کرم نوازی کا ایک واقعہ:۔

محمد بن یحییٰ بن ابی بکر مالکی نے ایک واقعہ لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ بارش کا نظام بالکل بند ہو گیا تو سخت قحط پڑ گیا اسی اثناء میں حضرت عثمانؓ کا تجارتی مال شام سے آ گیا اس میں غلہ تھا اور بعض روایات کے مطابق کھانی کی چیزیں بھی تھیں لوگ جمع ہو کر ان کے دروازے پر گئے اور دستک دی تو آپؓ نے باہر نکل کر بڑی خندہ پیشانی کے ساتھ لوگوں سے پوچھا "آپ لوگ کیا چاہتے ہیں" لوگ بولے آپ کا جو سامان شام سے آیا ہے سنا ہے اس میں کھانا بھی ہے ہم اسے خریدنا چاہتے ہیں تاکہ مساکین میں تقسیم کریں تاکہ اللہ اس کی برکت سے مصیبت کو دور کر دے غریب سخت تکلیف میں مبتلا

ہیں آپؓ نے فرمایا اندر جاؤ اور شوق سے خرید لو یہ مال تجارت ہے بتاؤ دس کے کتنے دیتے ہو تاجر بولے شام کی خریداری کے حساب سے دس کے بارہ'' آپؓ نے فرمایا کچھ اور بڑھو وہ بولے دس کے پندرہ'' آپ نے فرمایا ابھی اور بڑھو یہ سن کر تاجر بولے ''یا اباعمرو ہمارے علاوہ مدینہ میں اور بھی تاجر ہیں ممکن ہے وہ اس سے بڑھ کر بولی لگا سکیں آپ نے فرمایا'' آپ نے فرمایا ہاں اس سے زیادہ خدائے عزوجل دیتا ہے وہ ایک درھم کے دس درھم دیتا ہے بولو کیا تم اس سے زیادہ دے سکتے ہو تاجر بولے ''نہیں بخدا ہم اتنا کیسے دے سکتے ہیں'' یہ سن کر آپ نے فرمایا ''تو سنو یہ مال میں اللہ ہی کے ہاتھ فروخت کروں گا'' یہ کہہ کر آپ نے فقراء اور مساکین کو بلایا اور کھانے پینے کا سارا سامان ان میں خدا کے نام پر مفت تقسیم کر دیا ابن عباس فرماتے ہیں کہ ''اسی رات کو میں نے رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا آپ ایک ابلق گھوڑے پر سوار تھے اور لباس نور میں ملبوس تھے مگر اس وقت عجلت [جلدی] میں معلوم ہوتے تھے میں نے عرض کیا ''یا رسول اللہ ﷺ میں تو آپ کی زیارت اور آپ کی زبان مبارک سے کچھ کلمات سننے کا مشتاق تھا مگر آپ تو اس وقت بڑی عجلت میں معلوم ہوتے ہیں'' آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''اے ابن عباس آج عثمان نے اللہ کے نام پر صدقہ دیا ہے۔ اللہ تعالی نے اسے قبول فرما کر جنت میں ایک عروس [حور] سے اس کی شادی کر دی ہے آج ہم اسی تقریب میں مدعو ہیں''۔ (۱۵)

حضرت عثمانؓ کا صدقہ دینا اور اس صدقے کا مقبول ہونا اور پھر اس کے صلہ میں حور جنت سے شادی ہونا نہ ناممکن الوقوع ہے اور نہ اس پر کوئی شک ہونا چاہیے اس لیے کہ جس شخص کی اھل بیت کے ساتھ یہ کرم نوازی ہو کہ حضرت فاطمۃ الزھراء خاتون جنت کی شادی تک کرانے میں تعاون کرے وہ ''ھل جزاء لاحسان الا الاحسان '' (۱۶) کے تحت بلاشبہ اس بات کا مستحق ہے کہ خاتون جنت کو آباد کرانے کے صلہ میں خود بھی خاتون جنت [حور] کو پاوے۔ پھر اس واقعہ پر کیوں شک کیا جائے کہ وہ دوسروں کے ساتھ بھی احسان کر سکتے ہیں اور اس کی جزاء پا سکتے ہیں۔

نبی علیہ الصلوۃ والسلام کا دوہرا داماد ہونا:۔

آپ کے عقد نکاح میں نبی کریم ﷺ کی دو صاحبزادیاں یکے بعد دیگرے آئی ہیں پہلے حضرت رقیہؓ سے شادی ہوئی جب انہوں نے وفات پائی تو حضرت ام کلثوم سے شادی ہوئی اور یہ دونوں رسول ﷺ کی صاحبزادیاں تھیں (۱۷)

''کتاب الشریعہ'' میں ابوبکر آجری نے ابی عبدالرحمن کوفی کی سند کے ساتھ حسب ذیل روایت بیان کی ہے۔ ابوعبد الرحمن کوفی فرماتے ہیں مجھ سے حسن بن علی جعفی نے پوچھا اے اباعبدالرحمن کیا دیا تمہیں معلوم ہے کہ حضرت عثمانؓ کو ''ذی النورین'' کیوں کہا جاتا ہے میں نے جواب دیا مجھے تو بخدا معلوم نہیں جناب جعفی نے کہا اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت عثمان کے سوا کسی نبی کی دو بیٹیاں (یکے بعد دیگرے) آج تک کسی فرد کے عقد میں نہیں آئیں اور یہ وہ فضیلت خاص ہے جس سے خداوند تعالی نے دیگر متعدد فضائل مستودہ اور خصائل حمیدہ کے ساتھ حضرت عثمانؓ کو سرفراز فرمایا۔ (۱۸)

عثمانؓ کے داماد رسول ﷺ ہونے پر حضرت علیؓ کا خراج عقیدت پیش کرنا:۔

چنانچہ نہج البلاغہ میں ہے کہ جس وقت بلوائیوں نے حضرت عثمانؓ پر ہجوم کیا اور آپ کو محاصرہ میں رکھا اس وقت حضرت علیؓ عثمانؓ کے پاس گیا آئے اور عثمانؓ کے متعدد فضائل گنائے اور کہا کہ اے عثمانؓ میں نہیں جانتا کہ میں آپ سے کیا کہوں کوئی شئ ایسی نہیں جسے میں جانتا ہوں اور آپ نہ جانتے ہوں اور نہ بات ہے جس سے آپؓ کو آگاہ کروں جسے آپؓ نہ جانتے ہوں بیشک آپ وہ سب جانتے ہیں جو کہ ہم جانتے ہیں ہمیں کسی چیز میں آپ پر سبقت حاصل نہیں جس کی آپ کو خبر دیں

اور نہ ہم نے خلوت میں کوئی چیز حاصل کی جسے آپ تک پہنچائیں۔ بالتحقیق آپ نے دیکھا جیسا کہ ہم نے دیکھا اور آپ نے سنا جیسا کہ ہم نے سنا اور آپ نے رسول ﷺ کی صحبت پائی جیسی ہم نے پائی اور ابن قحافہ ابوبکرؓ) اور ابن خطاب (عمرؓ) آپ سے زیادہ حق پر عمل پیرانہ تھے اور تم رسول ﷺ کے ساتھ ان دونوں سے زیادہ خاندانی قرابت بھی رکھتے ہو۔ وقد نلت من صھرہ مالم ینالا مر۔ اور تم نے رسول اللہ کی دامادی کا وہ شرف پایا جو ان دونوں کو حاصل نہیں ہوا (۱۹)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی عمر شریف:۔

طبری کہتے ہیں کہ ہمارے پیش رو راویوں نے حضرت عثمانؓ کی عمر میں بھی اختلاف کیا ہے۔ بعض کا قول یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ کی (ر) عمر بیاسی سال تھی چنانچہ محمد بن عمر کا بیان ہے کہ حضرت عثمانؓ کی عمر شہادت کے وقت بیاسی سال تھی مخزمہ بن سلیمان والبی نے بھی ان کی عمر بیاسی سال بتائی ہے۔ صالح بن کیسان کا بیان ہے۔ کہ ان کی عمر بیاسی سال سے چند مہینے زیادہ تھی (۲۰)

(بعض راویوں نے ان کی عمر نوے سال اور بعض نے اٹھاسی سال اور بعض نے پچھتر اور بعض نے ترسیٹھ اور بعضوں نے چھیاسی سال بیان ہے جیسا کہ طبری کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ لیکن مشہور یہی ہے۔ کہ آپ کی عمر بیاسی سال تھی واللہ اعلم بالصواب)

مدت خلافت:۔

آپ کی مدت خلافت بارہ سال میں بارہ دن کم اور ایک روایت میں آٹھ دن کم بھی آیا ہے۔ باقی اللہ بہتر جانتا ہے۔ (۲۱)

تاریخ شہادت:۔

اس پر اتفاق ہے کہ انکی شہادت ماہ ذوالحجہ میں ہوئی ایک روایت یہ ہے۔ کہ آپ کی شہادت ۱۸ ذوالحجہ ۳۶ھ میں ہوئی مگر جمہور اور راویوں کا اس پر اتفاق ہے کہ آپ ۱۸ ذوالحجہ ۳۵ھ میں شہید ہوئے (۲۲)

وقت شہادت:۔

مشہور روایت کے مطابق آپؓ کی شہادت بروز جمعہ بتاریخ ۱۸ ذوالحجہ دن کے اخیر وقت میں (عصر کے بعد) ہوئی۔ (۲۳)

....

حواشی و حوالہ جات

(۵) ابن سعد، طبقات، مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی'' ج/۳، ص/ ۱۵۷ تا ۱۵۸

(۶) (الف) طبرسی، ابوعلی الفضل بن الحسن، مجمع البیان فی تفسیر القرآن ج/۲،ص/۲۳۳ مطبوعہ ایران ،(ب) مجلسی، ملا باقر علی، حیات القلوب ج ۲ص ۳۰۵ باب بست وپنجم دربیان ہجرت حبشہ،۔، (د) علامہ محمد بشیر انصاری تاریخ اسلام بشیر انصاری ص ۳۲۰ حصہ سوئم فصل ششم۔

(۷) ابن سعد، طبقات، مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی' ج/۳، ص/۱۸۵آ
(۸) ابن سعد، طبقات، مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی' ج/۳، ص/۱۸۵
(۹) ابن سعد، طبقات، مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی' ج/۳، ص/۱۸۵
(۱۰) ابن سعد، طبقات، مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی' ج/۱، ص/۳۹۶
(۱۱) کلینی، محمد بن یعقوب، فروع کافی کتاب الروضہ ج۸ص ۲۶۸ مطبوعہ بیروت
(۱۲) علامہ فتح اللہ کاشانی، نہج الصادقین ج/۸، ص/۳۷۳ م، مطبوعہ علمیہ اسلامیہ بازار شیرازی جنب نوروز خان ایران
(۱۳) علامہ فتح اللہ کاشانی، نہج الصادقین ج/۸، ص/۳۷۳ م، مطبوعہ علمیہ اسلامیہ بازار شیرازی جنب نوروز خان ایران
(۱۴) علی بن عیسی اربلی، کشف الغمہ فی معرفۃ الائمۃ، ج/۱، ص/۳۵۹ بیان تزویج فاطمہ علیہا السلام مطبوعہ تبریز
(۱۵) محمد بن یحیی ابن ابی بکر مالکی متوفی ۷۴۱ھ، حضرت عثمان شہیدؓ، ص/۲۲۹، نفیس اکیڈمی کراچی
(۱۶) القرآن۔سورۃ الرحمٰن آیت/۶۰
(۱۷) طبری، محمد بن جعفر، طبری' تاریخ' مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی' ج/۳، ص/۵۰۷، ابن سعد، طبقات، مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی' ج/۳، ص/۱۵۸
(۱۸) محمد بن یحیی ابن ابی بکر مالکی متوفی ۷۴۱ھ، حضرت عثمان شہیدؓ، ص/۲۲ تا ۲۳، نفیس اکیڈمی کراچی
(۱۹) سید شریف، نہج البلاغہ مع شرح ابن میثم، ص/۶۵۹، ج/ا خطبہ/۱۶۳
(۲۰) طبری، محمد بن جعفر، طبری' تاریخ' مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی' ج/۳، ص/۵۰۵
(۲۱) محمد بن یحیی ابن ابی بکر مالکی متوفی ۷۴۱ھ، حضرت عثمان شہیدؓ، ص/۱۶۳، نفیس اکیڈمی کراچی
(۲۲) طبری، محمد بن جعفر طبری' تاریخ' مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی' ج/۳، ص/۵۰۴
(۲۳) طبری، محمد بن جعفر طبری' تاریخ' مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی' ج/۳، ص/۵۰۴

....

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

☆☆☆☆☆☆☆

☆☆☆☆

ذرائع ابلاغ کا آزادانہ کردار اور اسلام

از: مولانا ابرار احمد اجراوی قاسمی، جے این یو، نئی دہلی

ذریعۂ ابلاغ خواہ وہ اخبار ہو یا ریڈیو، ٹیلی ویژن ہو یا انٹرنیٹ اس کی اہمیت اور اس کی اثر انگیزی ہر دور میں مسلم رہی ہے۔ انسانی معاشرے کی بقا اور تعمیر و ترقی کے لیے ابلاغ و ترسیل اتنا ہی ضروری ہے، جتنا کہ غذا اور پناہ گاہ۔ انسانی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو ترسیل دوطرفہ سماجی عمل ہے اور اس دور میں بھی جب منہ سے نکلی ہوئی آواز نے الفاظ اور منقش تحریر کا جامہ زیب تن نہیں کیا تھا اور انسان اشارے کنایے، حرکات وسکنات اور لمس وشعور کی مدد سے اپنی ترسیل وابلاغ کی ضرورت کی تکمیل کیا کرتا تھا، ابلاغ اور ترسیل کے وسائل انسانی معاشرے میں اہمیت کے حامل تھے، اور آج کے برق رفتار عہد میں تو اس کی اہمیت سے انکار ممکن ہی نہیں۔ ولبر شرم نے صحیح کہا ہے: ''عوامی ذرائع ترسیل دنیا کا نقشہ بدل سکتے ہیں۔'' یہی وجہ ہے کہ ترسیلی شعبے کے بعض ماہرین نے کسی مہذب انسانی معاشرے کی تعمیر و ترقی میں انتظامیہ، عدلیہ اور مقننہ کے ساتھ ذرائع ترسیل وابلاغ کو چوتھے ستون کی حیثیت دی ہے۔ ذرائع ابلاغ کی ترقی کے ساتھ انسانی معاشرے کی ترقی مربوط ہے۔ اگر یہ ذارئع ترسیل نہ ہوتے، تو انسانی معاشرہ تہذیب و ثقافت کے شائستہ تصور سے محروم رہتا اور جہالت و ناخواندگی کے اندھیروں میں بھٹک رہا ہوتا۔

انسانی زندگی میں ابلاغ و ترسیل کو شہ رگ کی حیثیت حاصل ہے۔ اپنے خیالات و جذبات اور افکار و نظریات کے اظہار کے لیے اگر اس کو موقع نہ ملے تو وہ ایک ہیجانی کیفیت میں مبتلا ہو کر مضطرب اور بے چین ہو جاتا ہے؛ یہی وجہ ہے کہ نہ صرف تمام ممالک کے دستور میں ہر شخص کو اظہار رائے کی آزادی کے بنیادی اور فطری حق کی ضمانت دی گئی ہے؛ بلکہ اس حق کو سلب کرنے والے عوامل و محرکات پر بھی قدغن لگانے کی یقین دہانی کرائی گئی ہے۔ آج انفارمیشن ٹکنالوجی کے میدان میں آنے والے انقلابات نے دنیا کو چھوٹے سے گاؤں میں تبدیل کر دیا ہے۔ آج آپ کے لیے ایک چھوٹے سے کمرے میں بیٹھ کر جام جمشید کی طرح دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک کا مشاہدہ کرنا اور اس پر برجستہ اپنی رائے دینا اور اس کو وسیع پیمانے پر پھیلانا ممکن ہے۔ انٹرنیٹ جیسے جامِ جہاں نما کے وجود میں آنے کے بعد تو ساری کائنات ایک چھوٹے سے بکس میں قید ہو گئی ہے اور آپ جب اور جس وقت چاہیں اس کے ذریعے کائنات کے طول وعرض کی سیر کر سکتے ہیں۔ آج ذرائع ابلاغ کا دائرہ کافی وسیع ہو گیا ہے۔ ای میل، ٹویٹر، اسکائپ اور فیس بک کی وساطت سے اپنے خیالات کی ترسیل ممکن ہے۔ اخبارات، ریڈیو، ٹیلی ویژن، انٹرنیٹ وغیرہ ذرائع ابلاغ کے اہم ستون ہیں۔ میں انھیں عوامی ذرائع ابلاغ کے ارد گرد اپنی گفتگو مرکوز رکھوں گا۔

ابلاغ کے غیر اسلامی تصورات

ذرائع ابلاغ کو آزاد چھوڑ دینے یا اس کو قانون وضابطے کا پابند بنانے کے تعلق سے، ماضی میں بہت سے نظریات وتصورات رائج تھے۔ انھی میں سے ایک مقتدرانہ نظریہ ابلاغ ہے، اس کے بانیوں میں مشہور فلسفی افلاطون کا نام سرِ فہرست آتا

ہے۔ ذرائع ابلاغ کو پابندِ سلاسل کرنے اور حکومت و ریاست کو مکمل با اختیار بنانے کے حوالے سے افلاطون کا یہ قول بڑا مشہور ہے کہ: ''اگر ریاست میں اختیارات کو بہت سے افراد میں تقسیم کر دیا جائے تو ریاست کا زوال شروع ہو جاتا ہے؛ اس لیے حاکم کو چاہیے کہ ریاست کے انتظام میں عوام کے عمل دخل کو محدود کر دے۔'' (تاریخ صحافت، افتخار کھوکھر، ص: ۱۸۸) اس نظریۂ ابلاغ کی رو سے تمام اختیارات صرف اور صرف ریاست کو حاصل تھے، حکومتِ وقت ہی سارے سیاہ و سفید کی مالک ہوا کرتی تھی۔ ابلاغ و ترسیل کے تمام ذرائع پر حکومت اور بالانشیں طبقوں کا مکمل کنٹرول تھا۔ اخبارات اور صحافی کے پیروں میں حکومت اور مقتدر طبقے نے پابندیوں کی زنجیر ڈالی ہوئی تھی، وہ کوئی ایسا مواد مشتہر نہیں کر سکتے تھے، جس میں حکومت اور فرماں روائے وقت یا حکومتی اہل کاروں کی پالیسیوں پر جرح و تنقید کی گئی ہو۔ پریس کو حکومت کی پالیسیوں میں مداخلت سے باز رکھنے کا واحد مقصد یہ تھا کہ حکومت کی پالیسیوں اور منصوبوں کو روبہ عمل لانے میں کسی عوامی مزاحمت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ اور عوام حکومت کی ہر جائز اور ناجائز خواہش کی تکمیل میں خاموش رہیں۔ گویا اس نظریۂ ابلاغ نے انسانوں کو فکر و نظر اور اظہار رائے کی آزادی سے کلیتاً محروم کر دیا تھا۔ یہ نظریہ پندرہویں اور سولہویں صدی تک جاری رہا۔ آج بھی بہت سے عربی اور غیر عربی ممالک میں یہ نظریہ دوسرے ناموں سے نافذ العمل ہے۔ جس کے تحت حکومت کی مرضی اور منشاء کے خلاف کسی کو بھی حرفِ شکایت زبان پر لانے کی اجازت نہیں۔ لیکن؛ جب اسلام کے نام پر وجود میں آنے والی حکومتوں کے نمائندوں نے ساری حدیں توڑ دیں اور پانی سر سے اونچا ہو گیا تو عرب کے جوشیلے جوانوں نے فطری آزادی کی لیلائے آرزو کو حاصل کرنے کے لیے حالیہ سالوں میں وہ جدوجہد کی ہے، جس سے عرب کی ماضی کی تاریخ نا آشنا ہے۔ مصر اور لیبیا کے انقلابات نے اس سچائی پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے کہ انسانی آزادی کو سلب کرنے والی طاقتوں کے لیے اس روئے ارضی پر کوئی جگہ نہیں ہے۔

قید و بند سے عبارت اس نظریے کے ردِ عمل کے طور پر ایک دوسرے نظریہ نے جنم لیا، جو مادر پدر آزادی کا حامی تھا۔ یہ نظریہ آزادی پسندانہ نظریہ ابلاغ کے طور پر تاریخ میں جانا گیا؛ چوں کہ اس عہد میں سائنسی دریافتوں نے انسان کو عقلیت کا سبق سکھایا تھا اور وہ ہر چیز کو عقل کی کسوٹی پر پرکھنے کے بعد ہی اس کو اپنی زندگی میں روبہ عمل لاتا تھا؛ اس لیے انھوں نے ماقبل کے نظامِ حکومت میں عائد قید و بند سے آزادی کے لیے ایک ایسے نظریے کا سہارا لیا، جس میں فرد کو ساری آزادی میسر تھی۔ آزادی پسندانہ نظریہ ابلاغ کو امریکی حکمرانوں نے خوب شہہ دی اور سب سے پہلے امریکی دستور میں یہ ترمیم کی گئی کہ کانگریس کوئی ایسا قانون نہیں بنائے گی، جس سے تحریر و تقریر اور ذرائع ابلاغ کی آزادی پر حرف آتا ہو۔ کینیڈا، آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے حکمراں طبقوں نے اس نظریہ کو اپنے ملکوں میں خوب پھلنے پھولنے کا موقع دیا۔ مقتدرانہ نظریہ ابلاغ میں تمام اختیارات ریاست اور حکمراں طبقے کو حاصل تھے، اس کے برعکس آزادی پسندانہ نظریہ ابلاغ میں ہر فرد کو یہ آزادی دی گئی تھی کہ وہ جو چاہے، جس طرح چاہے اور جس کے خلاف چاہے تقریر اور تحریر کے سہارے اس کا اظہار کر سکتا ہے۔ مملکت یا حاکم وقت کو اس کے دست و بازو کو پکڑنے اور اس کو مہر بہ لب کرنے کا حق نہ ہوگا۔

کمیونسٹ نظریۂ ابلاغ بھی اشتراکیت کے عروج کے دنوں میں کافی موضوعِ بحث رہا۔ کمیونسٹ نظریۂ ابلاغ میں اظہار رائے اور فکر و نظر کی آزادی کو حکومت کی پالیسیوں کی تشہیر تک محدود کر دیا گیا تھا۔ ذرائع ابلاغ اس بات کے پابند تھے کہ وہ عوام میں جا کر انھیں حکومت اور پارٹی کی پالیسیوں سے آگاہ کرائیں اور مملکت کے بنیادی نظریے یعنی کمیونزم کی تشہیر کریں اور اس نظریے کو اپنانے کے لیے عوام کی ذہن سازی کریں۔ مطلب یہ کہ کمیونسٹ نظریۂ ابلاغ بھی کسی نہ کسی شکل میں

مقتدرانہ نظریۂ ابلاغ کا ہی چرچہ تھا۔ اس میں بھی عوام مجبور و مقہور اور مہر بہ لب تھے۔ یہ سارے نظریات افراط و تفریط کا شکار تھے، کسی مہذب سماج اور انسانی معاشرے میں نہ تو کسی فرد کو مکمل اظہار کی آزادی دی جاسکتی ہے کہ وہ شُترِ بے مہار بن جائے اور آزادی اظہار کے پردے میں دوسروں کی دل آزاری کا سبب بنے۔ اور نہ ہی انسانوں کی فکر و نظر کی آزادی کو بے جا قانون و اصول کا سہارا لے کر اس طرح قید و بند کیا جاسکتا ہے کہ وہ اپنے فطری اور پیدائشی حق کے لیے بھی آواز بلند نہ کرسکیں۔ (تلخیص از: تاریخ صحافت، ص: ۱۸۷ تا ۲۰۰)

ذرائع ابلاغ کا اسلامی تصور

پریس اور میڈیا ہمارے ترقی یافتہ دور کی ایجاد کردہ اصطلاحیں ہیں۔ پہلے اس قسم کی اصطلاحات سے انسانوں کے کان مانوس نہیں تھے؛ لیکن کیا یہ ممکن ہے کہ اسلام جو حیات سے لے کر ممات اور فرد کی خانگی زندگی سے لے کر معاشرتی اور سیاسی زندگی کے تمام مسائل کو محیط ہے، اس میں ذرائع ابلاغ یا پریس کے حوالے سے قرآن و حدیث میں احکامات اور ہدایات نہ دی گئی ہوں۔ اسلام تو ایک مکمل نظامِ حیات کا نام ہے۔ اسلام زندگی کے ہر شعبے میں انسانوں کی رہ نمائی کے لیے قانون وضع کرتا ہے۔ پریس یا میڈیا فکر و نظر کی آزادی کا ہی نام ہے، جس میں صحافی اور رپورٹر سامعین اور قارئین کو اپنی فکر و نظر سے کام کا ایسا سچا اور بامقصد مواد دیتا ہے، جس کو وہ صحیح اور معتبر تصور کرتا ہے۔ فکر و عمل کی آزادی اور اظہارِ رائے کی آزادی کا باب پریس اور میڈیا کی آزادی کے بغیر مکمل نہیں ہوسکتا۔ ایک مثالی اسلامی ریاست میں عقیدے اور مذہب کی آزادی کے ساتھ فکر و نظر کی بھی آزادی کی ضمانت دی گئی ہے۔

اسلام چوں کہ رہتی دنیا تک لیے ایک جامع دین بن کر آیا ہے؛ اس لیے اس میں میڈیا اور پریس کے حوالے سے بھی ضابطہ اور قانون موجود ہے، اسلام میں میڈیا کی کتنی اہمیت ہے اور ان ذرائع ابلاغ کو انسانی زندگی میں کتنا بڑا اور اہم مقام حاصل ہے، اس کا اندازہ کرنے کے لیے ہمیں ان آیتوں کا مطالعہ اور ان کے مفاہیم میں غور کرنا چاہیے جن سے اسلام کے داعیانہ پہلو پر روشنی پڑتی ہے۔ اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ، (نحل: ۱۲۵) وَلْتَکُنْ مِّنْکُمْ اُمَّۃٌ یَّدْعُوْنَ اِلَی الْخَیْرِ (آل عمران، ۱۰۴) کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ (آل عمران، ۱۱۰) وَذَکِّرْ فَاِنَّ الذِّکْرٰی تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِیْنَ، (ذریات، ۵۵) بَلِّغُوْا عَنِّی وَلَوْ آیۃً اور نَضَّرَ اللّٰہُ امرأً سَمِعَ مَقَالَتِی الخ وغیرہ میں اسلام کے جس آفاقی پیغام کے ابلاغ و ترسیل کا امت مسلمہ کو حکم دیا گیا ہے، کیا اس کی وسیع اور عالمی پیمانے پر دعوت اور اشاعت، سائنس و ٹکنالوجی کے اس دور میں ذرائع ابلاغ کے سہارے کے بغیر ممکن ہے۔

اسلامی نظریۂ ابلاغ کسی انسانی فکر کا زائیدہ یا محض عقلی بنیادوں پر انسانوں کا تیار کردہ نہیں ہے، وہ قرآن و حدیث سے ماخوذ و مستنبط ہے۔ انسان کی فطری آزادی سے لے کر ذرائع ابلاغ کی آزادی تک کا سارا نظام عمل انہی اسلامی احکامات و ہدایات پر مبنی ہے۔ اسلامی نظریۂ ابلاغ میں جہاں ذرائع ابلاغ کو اظہار رائے کی آزادی دی گئی ہے، وہاں اس کو بہت سی اخلاقی شرائط اور سماجی و معاشرتی قوانین کا پابند بھی بنایا گیا ہے؛ تاکہ دیگر اسلامی نظریہ کی طرح یہاں بھی توازن و اعتدال

برقرار رہے۔اسلامی نظریۂ ابلاغ میں نہ مقتدرانہ نظریۂ ابلاغ کی طرح انسانوں کی آزادی کو مکمل طور پر سلب کیا گیا ہے اور نہ ہی آزادی پسندانہ نظریۂ ابلاغ کی طرح ایسی مادر پدر آزادی دی گئی ہے کہ فرد کی آزادی کے پردے میں دوسرے انسانوں کی آزادی پر انگشت نمائی کی جائے اور ان کی پرائیویٹ اور نجی زندگی میں بھی مداخلت کی جائے۔اگر اظہار کی آزادی کی آڑ میں ذرائع ابلاغ کے اس سرکش گھوڑے کو بے لگام چھوڑ دیا جائے، تو یہ ایمانیات کے ساتھ انسانوں کی اخلاقیات کو بھی پیروں تلے روند کر رکھ دے گا۔

اسلام میں اظہار کی آزادی محض ایک انسانی حق ہی نہیں؛ بلکہ یہ امتِ مسلمہ اور ذرائعِ ابلاغ کا ایک دینی اور اخلاقی فرض بھی ہے؛اس لیے نہ کوئی فرد، نہ کوئی حکومت اور نہ ہی کوئی ادارہ انسانوں سے ان کی فطری آزادی کو سلب کر سکتا ہے، اور نہ اس کو چیلنج کر سکتا ہے؛ البتہ اتنی شرط ضرور عائد کی جائے گی کہ کوئی بھی ذریعۂ ابلاغ کوئی ایسی خبر یا بات کی تشہیر نہ کرے، جس سے مفادِ عامہ کو زد پہنچے۔جو اسلامی اقدار کے منافی ہو اور جس میں انسانیت اور انسانی سماج کی تعمیر کے بجائے تخریب کے عوامل پنہاں ہوں۔اسلام میں ذرائع ابلاغ کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ اس کے ذریعے عوام الناس تک سچی اور صحیح خبر پہنچائی جائے۔ذرائع ابلاغ سچ کے اظہار میں کسی لالچ یا مداہنت کا شکار نہ ہوں۔ذرائعِ ابلاغ صرف ایسی معلومات کی اشاعت کریں، جن سے سامعین اور قارئین کے اندر نیکی اور تقویٰ کا عنصر پیدا ہو۔وہ کسی ایسی خبر کی اشاعت سے باز رہیں، جس کا مقصد ان کی اخلاقیات پر حملہ کرنا ہو اور اس سے دوسروں کی دل آزاری یا دوسرے ادیان وملل کی تحقیر ہو۔

ذرائع ابلاغ کے اساسی اصول واقدار

فکر ونظر کی آزادی:

اسلام نے فکر ونظر کی آزادی کے ساتھ ہمیشہ آزادیِ رائے کا احترام کیا ہے اور ہر کس وناکس کو اپنی بات رکھنے کا فطری حق دیا ہے۔عہدِ نبوی اور خلفائے راشدین کے عہد سے لے کر، عہدِ بنی امیہ اور بنی عباسیہ تک کی پوری اسلامی تاریخ اس قسم کے واقعات سے لبریز ہے، جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے کس درجہ شدت کے ساتھ حریتِ رائے کے تصور کی پرورش کی ہے اور اس کو انسانی معاشرے کا لازمی جز بنانے کی سعی کی ہے۔اسلام نے صرف آزاد مرد وخواتین ہی نہیں؛ بلکہ غلاموں کو بھی اس حق سے محروم نہیں رکھا ہے۔ذرا غزوۂ احد کا وہ واقعہ اپنے ذہنوں میں تازہ کیجیے جب جلیل القدر صحابۂ کرامؓ کی یہ رائے تھی کہ کفارِ مکہ سے جنگ کے لیے مدینے سے باہر نکلنا مناسب نہیں ہے اور یہیں رہ کر جنگ کی جائے؛ لیکن معقول اسباب کی بنیاد پر چند نوجوانوں کی یہ رائے تھی کہ جنگ کے لیے مدینے کی آبادی سے باہر نکلنا زیادہ مناسب ہے۔اسی طرح غزوۂ خندق کے موقع پر مدینے سے باہر خندق کھودنے کا فیصلہ آپ ...... کا ذاتی عمل نہیں تھا، بلکہ صحابۂ کرامؓ اور حضرت سلمان فارسیؓ کے باہمی مشورے سے خندق کھودی تھی۔حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ جنگی قیدیوں کے قتل اور انھیں فدیہ لے کر چھوڑ دینے کے بارے میں مختلف الرائے تھے۔اسلام میں فکر ونظر کی آزادی کی ہی دین ہے کہ ایک عام آدمی بھی اپنے خلیفہ کا دست وبازو پکڑ سکتا ہے۔اور جب ایک قبطی نے حضرت عمر بن عاصؓ اور ان کے بیٹے کی شکایت دربارِ عمری میں پیش کی تھی تو حضرت عمرؓ نے نہ صرف یہ کہ اس غلام کو فوری انصاف دلایا تھا؛ بلکہ انھیں سخت ڈانٹ بھی لگائی تھی۔اور اس وقت کے حضرت عمرؓ کے ارشادات پر مبنی یہ مفہوم تو ہر کسی کے ذہنوں میں ہوگا کہ ماں کے پیٹ سے آزاد پیدا ہونے والے بچے کو کسی کو غلام بنانے کا حق

نہیں۔حضرت عمرؓ کے الفاظ تھے: مَتیٰ اسْتَعْبَدْتُم النَّاسَ وَقَدْ وَلَدَتْهُم اُمَّهَاتُهُم اَحْرَاراً۔اسی قسم کا واقعہ خلیفۂ رابع حضرت علیؑ سے بھی منقول ہے۔انھوں نے فرمایا تھا: ''اَیُّهَا النَّاسُ اِنَّ آدَمَ لَمْ یَلِدْ عَبْداً وَلَا اَمَةً وَاِنَّ النَّاسَ کُلَّهُمْ اَحْرَاراً'' لوگو! آدم کی کوکھ سے غلام یا باندی نے جنم نہیں لیا،سبھی لوگ آزاد ہیں۔(نہج السعادۃ، ج:۱)

اسلام میں قیاس کو چوتھا فقہی اصول قرار دیا گیا ہے،فقہاء اور ائمہ کے درمیان مسائل میں اختلافِ اظہار رائے کی آزادی کی ایسی مثال ہے،جس سے دوسرے مذاہب و ادیان تہی دست ہیں۔فقہ میں جہاں چار بڑے مسالک کے ماننے والے،دنیا کے مختلف گوشوں میں کہیں کم تو کہیں زیادہ موجود ہیں،وہیں فقہ اوزاعی،فقہِ داؤد ظاہری اور فقہ جعفری وغیرہ بھی روئے زمین پر موجود ہیں، جن کی تقلید کرنے والوں کو نہ تو کم تر سمجھا جاتا ہے اور نہ ہی اقلیت اور اکثریت کی مذموم بنیاد پر ان سے تعرض کیا جاتا ہے۔فقہ میں تو ہم رجال و نحن رجال کا اصول چلتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ ایک ہی استاد کے مختلف شاگردوں نے دلائل کی بنیاد پر اپنے استاد کے نظریے سے اختلاف کیا ہے؛ بلکہ حدیث کے مطابق کسی غیر منصوص مسئلے میں غور و فکر کرنے والے ہر مجتہد کو اجر سے نوازا جاتا ہے،اگرچہ اس کا اجتہاد غلط ہی کیوں نہ ہو۔معلوم ہوا کہ اسلام آزادی فکر و نظر کا امین اور نقیب ہے۔اس میں ہر شخص کو اپنی رائے دینے کا حق حاصل ہے؛بشرطیکہ اس کی رائے نصِ صریح سے متصادم نہ ہو۔

ذیل کی سطروں میں ''مشتے نمونہ از خروارے'' کے طور پر ہم یہاں ان چند آزادیوں سے بحث کر رہے ہیں، جو اسلام نے فکر و نظر اور اظہار رائے کی آزادی کے تحت ذرائعِ ابلاغ کو عنایت کی ہیں۔

حکومتِ وقت سے سوال اور باز پرس کرنے کا حق:

اسلامی نظریۂ ابلاغ کے مطابق صحافی اور اخبار نویس کو ملک کی سب سے بڑی اتھارٹی سے بھی سوال کرنے کا حق ہے۔ایک صحابیؓ نے حضرت عمرؓ سے بھری مجلس میں یہ سوال کیا تھا کہ ہر صحابی کو تو مالِ غنیمت سے ایک چادر ملی ہے،آپ کے بدن پر یہ دو چادر کیسی ہے؟ تو حضرت عمرؓ نے خلیفہ ہونے کے باوجود اس پر ناگواری کا اظہار نہیں کیا تھا اور انتہائی سنجیدگی سے یہ جواب دیا تھا کہ ایک چادر تو میرے حصے کی ہے اور دوسری چادر میرے بیٹے کے حصے کی ہے۔اس سے بڑی آزادی کیا کسی جمہوری ملک میں بھی کسی فرد یا ادارے کو میسر ہے۔یہ صرف اسلام کا امتیاز ہے اور بس۔اسلام نے ہمیشہ شورائی نظام فکر و عمل کی حمایت اور حوصلہ افزائی کی ہے،جمہوری نظام میں جہاں ریاست اور ملک کے ہر کس و ناکس کو حکمرانوں کے انتخاب کا قانونی حق حاصل ہوتا ہے،وہیں شورائی نظام میں یہ تعداد کم ہو جاتی ہے۔شورائی نظام میں ہر فرد کی شرکت ضروری نہیں، بلکہ صرف اہل الرائے لوگ انتخاب کا قانونی حق رکھتے ہیں۔شورائی نظام کے مفقود ہونے کی وجہ سے ہی بہت سے عرب ممالک میں فکر و نظر کی آزادی حاصل نہیں ہے۔عوام حکومتِ وقت کے خلاف لب کشائی کی جرأت کرنے سے محروم ہیں۔فکر و نظر کی آزادی کو سلب کرنے کا ہی نتیجہ ہے کہ آج بہت سے ممالک قدرتی وسائل سے مالامال ہونے کے باوجود دوسرے ممالک کے دستِ نگر اور محتاج بنے ہوئے ہیں اور وہاں کی فکری اور تخلیقی صلاحیتیں دوسرے ملکوں کے کام آ رہی ہیں۔ان ممالک میں کسی ایسی چیز کی اشاعت کا حق فرد کو حاصل نہیں ہے، جس سے حکومت کی پیشانی پر بل آتا ہو۔یہی سبب ہے کہ وہ اپنی تحریروں اور اپنے افکار و نظریات سے عوام کو روشناس کرانے کے لیے امریکہ اور یورپ کے ممالک کا رخ کرتے ہیں، جہاں ان کے خیالات و نظریات کا فراخ دلی سے استقبال کیا جاتا ہے۔علمی تحقیق اور فکری پرورش کے لیے آزادی اظہار کی سہولت ناگزیر ہے۔ہم چند صدیاں پہلے اگر دنیا کے نقشے پر چھائے ہوئے تھے اور نئی نئی تحقیقات سے دنیا کو روشناس کرا رہے تھے تو اس کی بنیادی وجہ

یہ تھی کہ ہمارے یہاں اختلاف اور اظہار مافی الضمیر کی آزادی ہر کس و ناکس کو میسر تھی۔

ظلم اور ناانصافی کے خلاف احتجاج کی آزادی:

اسلام نے فرد کے ساتھ ادارے اور ذرائعِ ابلاغ کو جتنی آزادیاں دی ہیں، ان میں ایک اہم حق احتجاج کا حق بھی ہے۔ ذرائعِ ابلاغ کو جہاں کہیں بھی ظلم اور ناانصافی ملے، اس کے خلاف احتجاج کرنا چاہیے اور مظلوموں کی حمایت میں انسانی غیرت اور حمیت کا ثبوت دینا چاہیے۔ قرآن کریم کی آیت ہے:

لَا یُحِبُّ اللّٰہُ الْجَھْرَ بِالسُّوْءِ الَّا مَنْ ظُلِمَ (نساء، ۴۸)۔

حدیث شریف ہے۔

مَنْ رَایٰ مِنکُمْ مُنْکَرًا فَلْیُغَیِّرْہُ بِیَدِہٖ، فَاِن لَمْ یَسْتَطِعْ، فَبِلِسَانِہٖ وَمَنْ لَمْ یَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِہٖ وَذٰلِکَ أَضْعَفُ الایمان۔ اسی طرح دوسری جگہ ارشاد ھے: أَفْضَلُ الْجِھَادِ کَلِمَۃُ حَقٍ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ۔ (ترمذی کتاب الفتن، حدین نمبر: ۲۱۷۴)

مناظرے اور باہمی تنقید کی آزادی:

آج کل کے اخبارات اور نیوز چینلز کا یہ خاص وطیرہ بن گیا ہے کہ وہ چند ماہرین کو بلا کر کسی خاص موضوع پر مباحثے اور مناظرے کراتے ہیں، اس مباحثے میں موضوعات کی تحدید نہیں ہوتی، اس کا موضوع سیاسی بھی ہوتا ہے اور سماجی بھی، مذہبی بھی ہوتا ہے اور تعلیمی بھی۔ اس قسم کے مباحثوں میں ایک فریق دوسرے فریقِ مخالف کو شکست دینے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے۔ وہ اپنے موقف کو ثابت کرنے کے لیے فریقِ مخالف پر جرح و تنقید سے بھی کام لیتا ہے۔ اسلام نے اس قسم کے مباحثے اور مکالمے کی آزادی دی ہے، بشرطیکہ اس میں کسی قسم کے خلافِ شرع امر کا ارتکاب نہ کیا گیا ہو۔ اور تنقید و جرح تعمیری ہو، تخریبی نہ ہو۔ بات وزن دار ہو، دلائل سے مزین ہو، اس سے کسی کے مذہبی جذبات مجروح نہ ہوتے ہیں۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے۔ وَلَا تُجَادِلُوْا اَہْلَ الْکِتَابِ اِلَّا بِالَّتِیْ ہِیَ اَحْسَنُ (عنکبوت: ۴۶) آیت میں اگر چہ خطاب یہود سے ہے؛ لیکن اس کے عموم پر تمام مفسرین کا اتفاق ہے۔

شہادت کی آزادی:

ذرائع ابلاغ کی وساطت سے منظر عام پر آنے والی خبروں کا اتنا اثر ہوتا ہے کہ مقامی انتظامیہ سے لے کر ریاستی اور مرکزی حکومت بھی حرکت میں آجاتی ہے اور اس کی بنیاد پر کارروائی کرنے کو تیار ہو جاتی ہے۔ روزانہ ایسے کتنے معاملات ہماری نظروں سے گزرتے ہیں، جن میں حکومت میڈیا میں شائع ہونے والی خبروں کی وجہ سے مجرمین کو سلاخوں کے پیچھے ڈال دیتی ہے اور اگر کسی بے قصور شخص کو گرفتار کرلیا گیا ہے اور میڈیا والے اس کی بے گناہی پر کوئی خبر یا مضمون چھاپ دیتے ہیں، تو حکومت اس بات پر مجبور ہوتی ہے کہ وہ اس شخص کو بری کردے۔ شہادت اور گواہی کی اس اہمیت اور تاثیر کو مدنظر رکھتے ہوئے ذرائع ابلاغ کو کسی کی حمایت یا کسی مجرم کی مخالفت میں گواہی دینے سے گریز نہیں کرنا چاہیے۔ اسلام نے شہادت کو چھپانے والے کو سخت وعید اور دھمکی دی ہے (بقرہ، ۲۸۳)۔

اقرباء اور رشتے داروں کے خلاف گواہی دینے کی آزادی بھی ذرائع ابلاغ کو حاصل ہے، جس کا اظہار کرنا ضروری ہے۔ چاہے وہ اس کے اقربا اور رشتے داروں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ شریعت اسلامیہ کا حدود وتعزیر پر مبنی نظامِ عدل وانصاف کی روشنی کا ایک مینارہ ہے، جس میں اشراف وارذال، بادشاہ ورعایا اور امیر وغریب سب برابر ہیں۔ اس نظام میں ہر حق دار، خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم، کے حق کی ضمانت دی گئی ہے۔ اس نظام میں نہ کسی پر ظلم وزیادتی ہوگی، نہ استحقاق سے زیادہ اس کو سزا دی جائے گی۔ ذرائع ابلاغ کو چاہیے کہ وہ کسی مفسدے سے عوام کو باخبر کرنے اور کسی جرم اور بدعنوانی کا پردہ فاش کرنے میں مداہنت اور مصالحت سے کام نہ لیں؛ کیوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے: اے ایمان والو! انصاف قائم کرنے والے بنو، اللہ کی خاطر گواہی دینے والے، چاہے وہ گواہی تمھارے اپنے خلاف پڑتی ہو، یا والدین اور قریبی رشتے داروں کے خلاف۔ وہ شخص (جس کے خلاف گواہی دینے کا حکم دیا جارہا ہے) چاہے امیر ہو یا غریب، اللہ دونوں قسم کے لوگوں کا (تم سے) زیادہ خیر خواہ ہے، لہذا ایسی نفسانی خواہش کے پیچھے نہ چلنا جو تمھیں انصاف کرنے سے روکتی ہو (نساء: ۱۳۵)

جرائم کا پردہ فاش کرنے کی آزادی:

اسٹنگ آپریشن میڈیا والوں کا آج کا محبوب مشغلہ ہے۔ کسی کی شبیہ مسخ کرنا ہو تو وہ اسٹنگ آپریشن کا سہارا لیتے ہیں۔ اسلام نے کسی کی نجی زندگی میں تو مداخلت سے منع کیا ہے؛ لیکن اگر کسی شخص کے حرکت وعمل سے مفادِ عامہ پر ضرب پڑتی ہو تو ایسے جرم کا پردہ فاش کیا جاسکتا ہے۔ بنگارو لکشمن کی رِشوت سِتانی کا معاملہ ہو یا پارلیمنٹ میں ووٹ فار کیش کا معاملہ یا نیرا راڈیا والا کیس؛ ان سارے مقامات پر میڈیا کے جرأت مند رپورٹرس نے ان کے چہرے سے نقاب اتار کر ملک اور قوم کی عظیم خدمت انجام دی ہے۔ قرآن کریم میں کسی کی ٹوہ میں لگنے سے منع کیا گیا ہے؛ لیکن اگر کسی مشتبہ شخص کے بارے میں معتبر ذرائع سے معلوم ہوجائے کہ وہ کوئی خطرناک کام کرتے جارہا ہے، تو اس کے جرم کو طشت ازبام کرنا ضروری ہوجاتا ہے۔ گھروں میں جاسوسی کے آلات نصب کرنے، کسی شخص کے ٹیلی فون کال ٹیپ کرنے وغیرہ اس قسم کی جتنی صورتیں ہوسکتی ہیں، ان پر اسی حکم کا اطلاق ہوگا۔

اگر آثار وقرائن سے کسی ممنوع اور مخالف شریعت امر کا علم ہوجائے، تو اس کی دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ اس کی تلافی بالکل ممکن نہ ہو۔ جیسے یہ کہ کوئی اجنبی مرد کسی اجنبی عورت کے ساتھ خلوت میں ہے، یا کوئی شخص کسی آدمی کے قتل کی منصوبہ بندی کررہا ہے۔ تو ایسی صورت میں ایک صحافی اور رپورٹر تحقیق اور تجسس کرسکتا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ یہ جرم اس سے کمتر درجے کا ہو۔ اور اس کا جرم متعدی نہ ہو۔

حمایت ومخالفت کا اسلامی اصول:

ذرائع ابلاغ پروپیگنڈہ اور تشہیر کا مضبوط وسیلہ ہیں۔ عوام ذرائع ابلاغ میں شائع ہونے والی رپورٹ اور تجزیوں کی بنیاد پر بہت سے فیصلے کرلیتے ہیں۔ ذرائع ابلاغ عوام کی ذہن سازی میں کلیدی رول ادا کرتے ہیں۔ حمایت ومخالفت کی مختلف شکلیں اس وقت دیکھنے کو ملتی ہیں، جب ملک میں اسمبلی یا لوک سبھا کے انتخابات ہونے والے ہوتے ہیں۔ اس وقت اشتہارات مضامین اور خبروں اور تبصروں کی وساطت سے اپنے پسندیدہ امیدوار کی حمایت اور فریقِ ثانی کی مخالفت کا بازار گرم نظر آتا ہے۔ شریعتِ اسلامیہ نے حمایت ومخالفت کا بھی اصول متعین کردیا ہے۔ کسی سے محبت بھی ہو تو اللہ کے لیے اور کسی سے بغض وعداوت بھی ہو تو اللہ کے لیے۔ حمایت ومخالفت کو سفارش کے لفظ سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔ کسی کی سفارش اسی

بنیاد پر کی جائے کہ وہ شخص واقعی اس عہدے یا مرتبے کا مستحق ہو۔

لیکن ذرائع ابلاغ کو ان امور میں سفارش سے باز رہنا چاہیے جن کا تعلق حدود وقصاص سے ہے۔ حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ قریشیوں کے ہاں ایک مخزومی عورت کا معاملہ پیش آیا، اس نے چوری کی تھی۔ قریشیوں نے کہا کہ اس کے بارے میں آپ...... سے کون بات کرے گا۔؟ (یعنی ہاتھ نہ کاٹنے کی سفارش کون کرے گا؟) لوگوں نے کہا آپ...... کے سامنے اس کی جرأت کون کرے گا؛ البتہ اسامہ بن زیدؓ بات کر سکتے ہیں کہ وہ رسول اللہ...... کے چہیتے ہیں۔ چناں چہ حضرت اسامہؓ نے آپ...... سے بات کی۔ یہ سن کر آپ...... نے فرمایا: کیا تم اللہ کی حدود میں سفارش کررہے ہو؟ پھر کھڑے ہوئے اور خطبہ دے کر فرمایا: تم سے پہلے کی امتیں اسی لیے ہلاک ہوئیں کہ ان لوگوں میں جب کوئی معزز آدمی چوری کرتا تو وہ اس چھوڑ دیتے تھے اور جب کوئی ان میں کا کمزور چوری کرتا تو وہ اس پر حد قائم کرتے تھے۔ خدا کی قسم اگر میری بیٹی فاطمہ بھی چوری کرے گی، تو میں اس کا ہاتھ کاٹوں گا۔ (بخاری، کتاب الحدود، حدیث نمبر: ٦٧٨٩)

فریقِ مخالف کے لیے کوئی ایسا نازیبا لفظ استعمال نہ کیا جائے کہ وہ اس کے جواب اور ردِ عمل کے طور پر ایسا جواب دے، جس سے آپ کی توہین یا تضحیک ہوتی ہو۔ قرآن کریم میں ہے:

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عَدُوًّا بِغَيْرِ عِلْمٍ (انعام، ١٠٩)

بااثر افراد کے خلاف اظہار رائے کی آزادی:

آج کے جتنے ذرائع ابلاغ ہیں، ان پر چند بااثر افراد یا سیاست دانوں کا کنٹرول ہے۔ آج کل کے اخبارات کارپوریٹ گھرانے نکالتے ہیں، نیوز چینلز پر بھی انھی کا مالکانہ کنٹرول ہے۔ جو کسی نہ کسی سیاسی پارٹی سے سمجھوتہ کرکے ان کی تشہیر اور حمایت میں فضا سازگار کرنے کے لیے کام کرتے ہیں۔ اور مشہور صحافی سنتوش بھارتی کی مانیں، تو آج کا میڈیا بکا ہوا ہے۔ اس نے اپنی بولی لگادی ہے۔ آج کا میڈیا صرف اسی خبر کو مشتہر کرتا ہے، جس سے اس کے مخالف کی شبیہ شکنی اور اس کی شبیہ سازی ہوتی ہو۔ موجودہ عہد کے صحافی اور رپورٹر ان مشتبہ خبروں کو منظرِ عام پر لانے سے گھبراتے ہیں، جو بااثر افراد سے تعلق رکھتی ہیں؛ جب کہ اسلامی نقطۂ نظر یہ ہے کہ اس قسم کی خبروں کی اشاعت جس سے مفادِ عامہ وابستہ ہو اور اس سے کسی پر ذاتی تنقید اور کیچڑ اچھالنا مقصود نہ ہو، کو کسی ملامت اور خوف کی پروا کیے بغیر مشتہر کیا جائے۔ وہ اس خبر کی اشاعت میں اس شخص، ادارے، تنظیم، حکومت کے اثر و رسوخ، جنگی ساز و سامان، طاقت وقوت اور فوجی طاقت کو خاطر میں نہ لائے۔ آپ...... کا ارشاد ہے: الا لا یمنعن رجلا ہیبۃ الناس ان یقول بحق اذا علمہ: خبردار! جو تم کسی شخص کے اثر و رسوخ کی وجہ سے حق کے اظہار میں تردد سے کام لو۔ (ابن ماجہ، کتاب الفتن، باب الامر بالمعروف والنھی عن المنکر)

بامقصد تفریح کی آزادی:

اسلام نے حیا سوز اور انسانی معاشرے پر برا اثر مرتب کرنے والے تفریحی پروگرام کی اجازت تو نہیں دی ہے، جیسا کہ آج کل کے تجارتی چینل کا یہ ذہن بن گیا ہے کہ وہ تفریح کے نام پر ہر قسم کے ماورائے اخلاق پروگرام پیش کرتے رہتے ہیں اور اس کو تفریح اور ذہنی تسکین کا ذریعہ قرار دیتے نہیں تھکتے۔ لافٹر انڈیا، ڈانس انڈیا ڈانس، بگ باس اور مختلف رئیلٹی شوز پر جس قسم کے بے سروپا پروگرام کے ذریعے ذہنی آسودگی کا دعوی کیا جاتا ہے، وہ ہمارے معاشرے اور بچوں پر منفی اثرات مرتب کررہے ہیں۔ اور معصوم ذہنوں کو پراگندہ کررہے ہیں۔ ذہنی آسودگی کے لیے اسلام نے تفریحی پروگرام اور مزاحیہ

لٹریچر بھی شائع کرنے کی اجازت دی ہے۔ خود آپ...... نے صحابہ کرامؓ سے مزاح فرمایا ہے۔ جو مزاح نگاری اور فکاہیہ چینلز کے لیے اسوۂ حسنہ کا درجہ رکھتے ہیں؛ لیکن یہاں بھی وہی شرط ہے کہ یہ تفریح کسی کی دل آزاری کا سبب نہ بنے۔ جیسا کہ آج کل کے ریئلٹی شوز کا یہ وطیرہ بن گیا ہے کہ وہ تفریح کے نام پر ہمارے ذہنوں میں برائی اور بداخلاقی کا زہر گھول رہے ہیں۔ راجو شری واستو، سنیل پال اور احسان قریشی جیسے انٹرٹینر تفریح کے نام پر دوسروں کی پگڑی اچھالنے کا جرم کرتے ہیں اور اس کو تفریح کے نام پر جواز کا درجہ دے دیا جاتا ہے۔ اسلام میں اسی تفریحی پروگرام کی اجازت ہے، جو طنز و تضحیک اور توہین پر منتج نہ ہو۔ اے ایمان والو! نہ تو مرد دوسرے مردوں کا مذاق اڑائیں، ہوسکتا ہے کہ وہ (جن کا مذاق اڑا رہے ہیں) خود ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں، ہوسکتا ہے کہ وہ (جن کا مذاق اڑا رہی ہیں) خود ان سے بہتر ہوں۔ اور تم ایک دوسرے کو طعنہ نہ دیا کرو اور نہ ایک دوسرے کو بُرے القاب سے پکارو۔ ایمان لانے کے بعد گناہ کا نام لگنا بہت بری بات ہے۔ اور جو لوگ ان باتوں سے باز نہ آئیں تو وہ ظالم لوگ ہیں۔ (حجرات:۱۱)

ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ آں حضرت...... نے فرمایا: آدمی کے برا ہونے کے لیے اتنی بات کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے۔ (مسلم: کتاب البر والصلۃ، حدیث نمبر ۲۵۶۴)

مذاق اور تمسخر سے دشمنی سر ابھارتی ہے، اس سے لوگوں میں اختلاف اور تنازع کو ہوا ملتی ہے۔ ٹکراؤ اور تصادم کی آگ بھڑک اٹھتی ہے؛ اسی لیے علامہ عبد الرحمٰن سعدیؒ نے لکھا ہے: تمسخر انھی لوگوں کا شیوہ ہوتا ہے، جن کا دل بُرے اخلاق و آداب کی آماجگاہ اور ساری مذموم خصلتوں کا مرکز ہوتا ہے۔ (تفسیر سعدی، ج:۷، ص:۱۳۵)

ایسے تمسخر کی ممانعت کے سلسلے میں آپ...... کا منہج واضح اور ٹھوس تھا، جس کا نتیجہ لوگوں کی توہین و تضحیک کی شکل میں بر آمد ہوتا ہو۔ ہم یہاں صرف دو مثالیں بیان کرنا چاہیں گے۔

پہلی مثال حضرت ابو ذر غفاریؓ کی ہے، وہ روایت ہے کہ میں نے ایک آدمی سے گالم گلوچ کی اور اس کی ماں کو گالی دے ڈالی۔ تو آپ...... نے مجھ سے کہا: ابوذر! کیا تم نے اس کی ماں کو گالی دی، بلاشبہ تم ایسے آدمی ہو، جس میں جاہلیت کی عادت ہے۔ (بخاری، کتاب الایمان، حدیث نمبر: ۳۰)

دوسری مثال حضرت عائشہؓ کی ہے وہ فرماتی ہیں: میں نے آپ...... کی خدمت میں یہ عرض کیا کہ آپ...... کے لیے حضرت صفیہؓ کا فلاں فلاں عیب یعنی صفیہ کا پست قد ہونا کافی ہے۔ تو آپ...... نے فرمایا: اے عائشہؓ تم نے ایسی بات زبان سے نکالی ہے کہ اگر وہ دریا میں گھول دی جائے تو وہ دریا پر غالب آجائے۔ حضرت عائشہؓ نے کہا میں نے آپ...... کے سامنے ایک آدمی کی نقل اتاری، آپ...... نے فرمایا: میں نہیں چاہتا کہ کسی انسان کی نقل اتاروں اگر چہ مجھے اتنا اتنا روپیہ ملے۔ (ابوداؤد، کتاب الادب، حدیث نمبر: ۴۸۷۵)

خلاصہ یہ کہ ذرائع ابلاغ کی مثال چھری کی ہے کہ اس کے ذریعے پھل بھی توڑا جاسکتا ہے اور کسی کی گردن بھی۔ وہ محتسب کا کردار ادا کر کے کسی کی جان اور عزت و آبرو بھی بچا سکتا ہے اور کسی رہزن کا بھیس بدل کر کسی کی جان اور عزت و آبرو سے کھیل بھی سکتا ہے۔ وہ ظلم و ستم اور جبر و تشدد کی حمایت اور بے حیائی اور بداخلاقی کا پرچار بھی کرسکتا ہے اور اصلاح و تبلیغ کے میدان میں مصلح و مبلغ کا رول بھی ادا کرسکتا ہے۔ مطلب یہ کہ ذرائعِ ابلاغ فی نفسہ کوئی بری چیز نہیں ہیں۔ بلکہ اس کے حسن و قبح اور جواز و عدم جواز کا دار و مدار اس کے استعمال اور نیت و مقصد پر موقوف ہے۔ اس لیے یہ ضروری ہے کہ جہاں ذرائع ابلاغ کو اسلامی قانون اور ضوابط کی روشنی میں ملنے والے حقوق دیے جائیں، وہیں ان پر ایک محتسب اور نگراں بھی مقرر کردیا

دیا جائے۔ تا کہ میڈیا ہر قسم کی بے راہ روی اور انحراف سے دور رہ کر معاشرے کی تعمیر اور ترقی کے لیے کام کر سکے۔ میڈیا میں در آنے والی برائیوں اور بے راہ روی کی وجہ سے ہی پریس ایسوسی ایشن کو گائڈ لائن جاری کرنی پڑتی ہے۔ اور پریس کونسل کے چیئرمین کو میڈیا کے اہل کاروں کو کھری کھوٹی سنانی پڑتی ہے؛ اس لیے یہ ضروری ہے کہ میڈیا ہر قدم پر بین الاقوامی ضابطۂ اخلاق کی پابندی کرتے ہوئے حقائق کی ایسی ترجمانی کرے کہ اس کے ذریعے ایک صحت مند، بدعنوانی اور ہر قسم کی برائی سے پاک معاشرے کی تعمیر وتشکیل میں رہ نمائی مل سکے۔ وہ خبروں کو نشر کرتے وقت فلاحِ عامہ اور انسانی عظمت وشرافت کا خیال رکھے۔ تعلیمی معلوماتی اور تفریحی مواد کی اشاعت کے وقت حزم واحتیاط کا دامن تھامے رکھے۔ مملکت اور ریاست کے حقوق اور اس کی عزت وتوقیر کے تعلق سے اپنی ذمے داری کا ثبوت دے، جنسی جرائم اور بے حیائی پر مبنی پروگرام کی اشاعت سے اجتناب کرے، تا کہ میڈیا کا صاف ستھرا چہرہ عوام کے سامنے آئے اور اس کی معتبریت پر حرف نہ آئے۔ متنازعہ امور کی رپورٹنگ کرتے وقت اس بات کا خاص طور پر دھیان رکھا جائے کہ اس سے کسی خاص فریق کی حوصلہ شکنی نہ ہو۔ جیسا کہ دہشت گردی سے متعلق واقعات میں عموماً ایسا دیکھنے کو ملتا ہے کہ ذرائعِ ابلاغ اس واقعے پر ایسے سطحی تبصرے اور تجزیے نشر کرتے ہیں، جن سے ایک مخصوص طبقے کو مورِدِ الزام ٹھہرانے کی بو آتی ہے۔

نیوز چینل اس بات کو یقینی بنائیں کہ وہ نیم عریاں رقاصاؤں اور فلمی اداکاروں کے ذریعے، ماورائے اخلاق پروگرام نشر کر کے فحاشی اور عریانیت کو فروغ نہیں دیں گے، چاہے ان کا TRP نیچے کیوں نہ آ جائے اور انھیں اس کی بھاری سے بھاری قیمت ہی کیوں نہ چکانی پڑے۔ اور اخلاقیات کو کبھی بھی اقتصادیات کے تابع نہیں بنائیں گے، انھیں خطوط پر عمل کر کے ذرائع ابلاغ کی آزادی کا صحیح استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اور اسلامی شریعت کی رو سے ملنے والی صحافتی آزادی کا بھرپور استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اور اسی میں ذرائع ابلاغ کی دائمی عزت وعظمت اور آبرو کا راز مضمر ہے۔

☆☆☆

نوٹ: اس مقالے کی تیاری میں قرآن وحدیث کے علاوہ درج ذیل اردو کتابوں سے جزوی مدد لی گئی ہے:

(۱) اسلام کا قانونِ صحافت، ڈاکٹر لیاقت علی خاں نیازی، بک ٹاک، ٹمپل روڈ لاہور، ۱۹۹۵ء

(۲) تاریخِ صحافت، افتخار کھوکھر، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ۲۰۰۹ء

(۳) اسلامی صحافت، عبدالسلام زینی، مرکزی مکتبہ اسلامی، نئی دہلی، ۱۹۹۰ء

(۴) مغربی میڈیا اور اس کے اثرات، نذر الحفیظ ندوی، مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ، ۲۰۰۱ء

(۵) میڈیا: اردو اور جدید رجحانات، سہیل انجم، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی ۲۰۱۰ء۔

☆☆.. یہ مضمون دارالعلوم دیوبند انڈیا سے سہ ماہی نصرۃ الاسلام میں اشاعت کے لیے خصوصی طور پر بھیجا گیا ہے۔
ادارہ

☆ ☆ ☆

تعلیم و تدریس

رہنمائے تدریس و تحقیق

(شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے فارسی رسالہ فن دانشمندی کا اردو ترجمہ)

ترجمہ: مولانا مدثر جمال تونسوی، (فاضل جامعہ دار العلوم، کراچی)

عصر حاضر میں مختلف علمی موضوعات پر تحقیقات اور تعلیمی اداروں میں تدریس و تعلیم کے اصول وضوابط ایک مستقل فن کی حیثیت اختیار کر چکا ہے اور اصول الدارس و التحقیق کے نام سے اس موضوع پر عربی اور انگلش میں بہت کچھ جب کہ اردو میں بہت کم اس موضوع پر لکھا گیا ہے۔ تدریس و تحقیق میں ان اصول وضوابط کی رعایت رکھنا نہ صرف مفید ہے؛ بلکہ تعلیمی و تحقیقی معیار کو بہتر بنانے اور کوئی بھی عملی کام مستند، قابل اعتماد اور اقوام عالم سے منوانے کے لیے ان کی رعایت رکھنا ناگزیر ہے۔ اس فن نے مستقل حیثیت کب اختیار کی؟ اس بارے میں حتمی طور سے کچھ نہیں کہا جا سکتا؛ البتہ ہمارے برصغیر میں اس فن کو مستقل حیثیت سے مدون و مرتب کرنے کا اعزاز مسند الہند حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہ کو حاصل ہے۔ جس طرح شاہ صاحب کو فن حکمت شرعیہ کے ضبط و تدوین کا شرف امتیاز حاصل ہے اور اس فن میں حجۃ اللہ البالغہ جیسی شاہکار کتاب تصنیف فرمائی ہے۔ اسی طرح فن اصول الدراس و التحقیق کو باقاعدہ مرتب کرنے کا اعزاز و شرف امتیاز بھی شاہ صاحب کو حاصل ہے۔

اس موضوع پر فن دانشمندی کے نام سے فارسی میں ایک مختصر مگر انتہائی مفید و جامع رسالہ تصنیف کیا ہے۔ یہ رسالہ پانچ صفحات پر مشتمل ہے اور ولی اللہی علوم و افکار کے نامور محقق حضرت صوفی عبدالحمید سواتی نور اللہ مرقدہ نے حضرت شاہ رفیع الدین محدث دہلوی کی کتاب تکمیل الاذہان کے ساتھ آخر میں طبع کرایا ہے۔ اس طرح ہمارے علم کے مطابق اس فن کو سب سے پہلے حضرت شاہ صاحب نے مدون کیا؛ بلکہ خود حضرت شاہ کی ابتدائی عبارت جو آگے آرہی ہے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ پہلے یہ فن دیگر فنون کے ساتھ خلط ہو چکا تھا اور خود شاہ صاحب کے دل میں یہ ارادہ ہوا کہ اسے باقاعدہ علیحدہ سے مدون کیا جائے۔ یہ مختصر رسالہ انتہائی مفید اور علم و حکمت کا خزینہ ہے۔

ذیل میں اپنے طالب علم بھائیوں کے لیے اس کا آسان اردو ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے۔ اگرچہ بعض مقامات ترجمہ سے کما حقہ حل نہیں ہوئے؛ بلکہ ان کی توضیح و تشریح ضروری ہے مگر اہل علم اور ذی استعداد حضرات پھر بھی اس سے فائدہ حاصل کر سکتے ہیں۔ اس لیے فی الحال محض ترجمہ ہی پیش کیا جا رہا ہے؛ کیونکہ یہ ضرب المثل تو آپ نے سنی ہوگی: مالا یدرک کلہ لایترک کلہ۔ آغاز ترجمہ رسالہ فنِ دانشمندی (فارسی) از شاہ ولی اللہ محدث دہلوی

الحمد للہ ملھمِ الحِکمِ، و مجزِلِ النِعمِ، والصلو والسلام علی فضلِ من اوتی الکتاب وفصل الخطابِ وعلی آلہ وصحابہ الذین بلغوا شرائع الدِینِ وبینوا لنا ما یحصل الیقین.

امابعد: فقیر ولی اللہ بن عبدالرحیم عرض گذار ہے کہ: بندہ نے فن دانشمندی اپنے والد سے حاصل کیا ہے اور ان کا سلسلہ سند اس طرح ہے:

شاہ عبد الرحیم از میر محمد زاہد بن قاضی اسلم ہروی از ملا محمد فاضل از ملا یوسف قراباغی از میرزا جان از ملا محمود شیرازی از ملا جلال الدین دوانی از والد خود ملا اسعد بن عبد الرحیم از ملا مظہر الدین گازرونی از ملا سعد الدین تفتازانی از قاضی عضد از ملا زین الدین از قاضی بیضاوی اور قاضی بیضاوی کی سند شیخ ابو الحسن اشعری تک کتب تاریخ میں مشہور و معروف ہے۔

بندہ نے فن دانشمندی، علم کلام اور علم اصول تینوں فنون باہم ملے جلے اسی سند سے حاصل کیے ہیں۔ اس سند کے تمام رجال صاحب تصنیف و تحقیق اور درس و تدریس میں مشغول رہے ہیں۔ صرف میرے والد محترم ایسے ہیں جو روحانی اشغال میں انہماک کی وجہ سے درس و تصنیف کا شغل اختیار نہ کر سکے۔ میرے دل میں یہ بات آئی کہ فنِ دانشمندی کو اصول و قواعد کے ساتھ ضبط کیا جائے اور اہل زمانہ کی خدمت میں پیش کر دیا جائے۔

تعریف: اگر آپ پوچھیں کہ فن دانشمندی سے کیا مراد ہے؟

جواب: میرا جواب یہ ہے کہ اس کا مطلب کتاب فہمی ہے۔

اور کتاب فہمی کے تین درجے ہیں:

اول: کتاب کا بغور مطالعہ کرے اور اس کے مطالب و مقاصد کو اچھی طرح دریافت کر لے۔

دوم: کتاب پڑھائے اور اس کی حقیقت شاگردوں کو سمجھائے۔

سوم: اس کتاب کی شرح یا اس پر حاشیہ تحریر کرے اور تفصیل سے کتاب کے مطالب و معانی کی تشریح و توضیح پیش کرے۔

فائدہ: اگر آپ یہ سوال کریں کہ اس فن کو ضبط کرنے، یاد کرنے اور اِس کی تحقیق میں کیا فائدہ ہے؟

جواب: میں کہتا ہوں اس میں دو فائدے ہیں:

اول: کتاب کا مطالعہ کرنے کا طریقہ معلوم ہوگا اور (ان رہنما اصولوں کی روشنی میں کیا جانے والا) مطالعہ اکثر اوقات درست ہوگا۔ اِس کی تفصیل یوں ہے کہ جب طالبِ علم فن صرف، نحو اور علم لغت کی طرح اس فن دانشمندی کی رہنمائی میں کسی کتاب کا اولا مطالعہ کرے گا، اس کتاب کی شرح اپنے سامنے رکھے گا، نیز اس کا مشفق استاذ اپنے طریق تدریس سے ان قواعد وضوابط کو اچھی طرح ذہن نشین کرا دے گا، اِس کے بعد ہر مقام میں کلام شارح کے علمی نکتہ پر مطلع ہوگا تو ان اسباب وقرائن سے فہمِ کتاب کا سلیقہ پیدا ہو جائے گا؛ کیونکہ کلیات پر عبور حاصل کرنے کے بعد جزئیات کا احاطہ کرنا اور دیگر جزئیات کا سراغ لگانا بہت آسان ہو جاتا ہے۔ مثلاً فن عروض اس شخص کے لیے جو شعرا کے دواوین کی معرفت اور ان سے لگار رکھتا ہو اور خود شعر کہتا ہو۔

دوم: جو بزرگ فن دانشمندی میں مستند و معتمد شمار ہوتے ہیں، جیسا کہ اسی سند میں بہت سے علما مذکور ہیں، انہوں نے فن دانشمندی اور علم کلام و علم اصول کو باہم خلط کر دیا ہے، جس سے ایک طالب علم کو ان علوم کے باہمی امتیاز میں مشکل پیش آتی ہے اور وہ ان تینوں علوم کی ہیئت اجتماعیہ ہی کو علم واحد شمار کرتا ہے، جیسا کہ اس زمانے کے اکثر خام طبع لوگوں کا حال ہے) اس عدم امتیاز کا نقصان یہ ہوتا ہے کہ (انتشار اطراف کی وجہ سے علم کا اچھی طرح احاطہ نہیں کر سکتا اور اس نکتے) کہ فن داشمندی علم کلام واصول سے الگ شی ہے (کی طرف ذہن منتقل نہ ہونے کی وجہ سے فن دانشمندی بھی اچھی طرح حاصل نہیں کر سکتا۔

تتمہ: فنون دانشمندی، علم سے جدا اور ممتاز چیز ہیں۔ جب وہ اس قاعدہ کو یاد کرے گا تو اس کے ذہن میں فنون دانشمندی سے ایک جامع، محدود و متمیز امر پیدا ہوگا اور ہر مقام میں ادنی توجہ سے بھی مسائلِ علم کا جدا جدا اِدراک کر لے گا اور

ہر جانب سے ان کا احاطہ کرلے گا۔ وما ارید الا الاصلاح ما استطعت وما توفیقی الا باللہ

جاننا چاہیے کہ جو استاذ درایت وتحقیق سے اپنے شاگردوں کو کوئی کتاب پڑھانا چاہے اسے پندرہ باتوں کا لحاظ کرنا چاہیے۔اسی طرح کسی کتاب کی شرح تحریر کرتے ہوئے بھی ان امور کا لحاظ کرنا ضروری ہے۔

ضبطِ مشکل:۔یعنی عبارت میں کوئی اسم وفعل محل اشتباہ ہو تو اس کی حرکات) مثل زیر، زبر، پیش (اور سکنات بیان کرے۔

تتمہ:۔اسی طرح الفاظ کا منقوط وغیر منقوط ہونا بیان کرے؛ تاکہ غلط کتابت وتلفظ سے محفوظ رہے۔

شرحِ غریب:۔یعنی اگر کوئی کم استعمال ہونے والا لفظ ہو اور شاگرد اس کا معنی نہ سمجھتے ہوں تو لغت واصطلاح کے اعتبار سے اس لفظ کی وضاحت کردے۔

کشفِ مغلق:۔یعنی اگر عبارت میں کوئی مشکل ترکیب یا مشکل صیغہ ہو جو شاگردوں کے ذہن پر بار ہو تو ایسی ترکیب اور صیغے کو علم نحو وصرف کے مطابق حل کردے۔

تصویرِ مسئلہ:۔یعنی اگر عبارت میں کسی قاعدہ کلیہ کا بیان ہو جو شاگردوں کے ذہن نشین نہ ہو رہا ہو تو اس کو واضح عبارت سے بیان کرے اور مثالوں سے سمجھائے؛ تاکہ شاگردوں کے ذہن نشین ہوجائے۔

تقریبِ دلائل:۔یعنی اگر صاحب کتاب نے کسی مسئلہ پر کوئی دلیل قائم کی ہے تو اس دلیل کے مقدمات مخفیہ کو اس طرح بیان کرے کہ بعض مقدمات کو بعض سے ملانے پر یا بعض مقدمات کے بعض دیگر مقدمات میں مندرج ہونے سے مدعا ثابت ہوجائے۔اس کے بعد مقدمات بدیہیہ کی طرف رجوع کرے؛ تاکہ کوئی شک وشبہ باقی نہ رہے۔

تحقیق تعریفات بہ:۔(بیان فوائد قیود) یعنی اصطلاحات کی تعریف میں تحقیق سے کام لے اور تعریف میں موجود قیودات کے فوائد بیان کرے۔

تتمہ:۔حدِ جامع مانع اور غیر متدرک کی تفصیلی تقسیم اور طریق انتزاع بھی اسی) تحقیق تعریفات) کے قبیل سے ہے۔

فوائدِ قیود کے ساتھ قواعد کلیہ بیان کرے اور تقسیم ومثال کی تفصیل اور اس میں سے قاعدے کی وجہ انتزاع اس طرح بیان کرے جو غیر متدرک اور جامع ومانع ہو۔

قسیمات میں وجہ حصر کی وضاحت کرے خوہ وہ حصر استقرائی ہو یا عقلی اور یہ وضاحت ایسی طرح ہو کہ حصر بالکل واضح ہوجائے۔اسی طرح فصول وقواعد میں تقدیم وتاخیر کی وجہ بیان کرے۔

تفریق ملتبسین:۔یعنی جو دو اقسام بادی النظر میں ایک دوسرے سے ملتبس ہو رہی ہوں، یا جو دو مذہب بادی النظر میں مشتبہ ہو رہے ہوں، ان کے درمیان فرق کی روشن تقریر کرے) تاکہ دونوں کا باہمی التباس واشتباہ دور ہوجائے(۔

تطبیق مختلفین:۔یعنی اگر کسی مصنف کی عبارات میں دو جگہ اختلاف ہوجائے، اس اختلاف کو دور کرے؛ خواہ دونوں عبارات کا اختلاف دلالت مطابقی کی صورت ہو یا ایک میں دلالت مطابقی ہو اور دوسری جگہ دلالت تضمنی یا التزامی ہو۔

دفع اشتبہات ظاہر الورود:۔یعنی ظاہری طور پر وارد ہونے والے شبہات کو دور کرنا مثلاً تعریفات میں جو چیزیں ممنوع ہیں) ان میں سے کوئی چیز موجود معلوم ہو رہی ہو تو اس شبہ کو دور کرنا کہ یہ ممنوع چیز جو بظاہر موجود نظر آرہی ہے حقیقت میں ایسا نہیں (جیسا کہ استدراک، تعریف الشی بال خفی، عدم جمع ومنع یا جو چیز دلائل میں ممنوع ہے، جیسے جزئیت کبری، یا مخالف مصنف کوئی ایسا کلام پیش کرے جو بادی الرای میں شاگرداں کی نظر میں کھٹکتا ہو یا مناظرے میں قواعد مناظرہ کی رعایت

محسوس نہ ہوتی ہو؛ اس قسم کا کوئی اشکال وارد ہو تو دور کرے۔

کوئی حوالہ ذکر کیا ہو تو حوالے والی اصل جگہ یا اصل مسئلہ بتانا، فیہ نظر کہا ہو تو اس نظر کی وضاحت کرنا، کسی مقدر عبارت کی طرف اشارہ ہو تو اس کی وضاحت کرنے۔

اگر شاگردوں کی زبان، کتاب کی عبارت کے مخالف ہو تو شاگردوں کی زبان میں عبارت کتاب کا ترجمہ کرنا (مثلاً عربی کتاب کا اردو خواں طلبہ کے سامنے اردو میں ترجمہ کرے)

مختلف توجیہات کی تنقیح کرے اور ان میں اصوب توجیہ کی نشاندہی کرے۔ مثلاً اگر کسی امر میں مدرسین وشراح کی آرا میں اختلاف ہو ایک جماعت شرح غریب کا طرز اپنائے، دوسری جماعت کوئی دوسرا طرز اور توجیہات میں نزاع واختلاف پیدا ہو جائے تو استاذ کا کام یہ ہے کہ وہ پہلے ان توجیہات کی تنقیح کرے پھر ان میں سب سے بہتر کی تعیین کرے یہی معاملہ مشکل الفاظ کے ضبط اور مشکل لغات وتراکیب کے حل وغیرہ میں اختیار کرنا چاہیے۔

سہولت تقریر، یعنی ان بارہ باتوں کو ایسی واضح ومختصر عبارت سے بیان کرے جو سہل الحصول اور بآسانی ذہن نشین ہونے والی ہو اور اسی کا حصہ یہ بات بھی ہے کہ استاذ اپنی تقریر کو مصنف کی عبارت کے ساتھ اس طرح جوڑ دے جس سے دونوں متصل) اور ایک ہی شی معلوم ہوں (جب) صاحب تدریس وتحقیق (ان پندرہ صفات کا حق ادا کرے گا تب تدریس اور تشریح کتب میں کامل ہوگا۔

مشفق استاذ کو چاہیے کہ اپنے شاگردوں کو ان امور پر بھی مطلع کرے۔

اول: ان) مذکورہ بالا امور (پر اجمالی طور سے مطلع کر دے۔

دوم: جب شروحات میں ایسے امور سامنے آئیں تو انھیں متنبہ کرتا جائے کہ اس جگہ شارح کی غرض فلاں بات تھی اور یہاں یہ نیا نکتہ ہے۔

سوم: استاذ شاگردوں کو تاکید کرے کہ وہ مطالعہ کتب میں ان امور کو پیش نظر رکھیں اور انہی میدانوں کو اپنی فکر کی جولان گاہ بنائیں۔

چہارم: شاگرد کے مطالعے کو خود سنے، اگر کہیں وہ غلطی کرے تو اس پر متنبہ کرے، جس سے اس کو اپنی غلطی سمجھ میں آجائے) تاکہ آئندہ بچ سکے (اور اس غلطی کی مثل دیگر چیزوں پر بھی احتیاطا متنبہ کر دے۔

پنجم: کسی کتاب کا حاشیہ یا شرح لکھوائے اور اس کی علمیت کا امتحان لے تاکہ حق تربیت کمال کو پہنچے۔

جاننا چاہیے کہ یہ دانشمندی معقول ومنقول اور علوم برہانیہ وخطابیہ سب میں جاری ہے) اور مفید ہے (کتب منقول میں تحقیق عبارت اور کتب معقول میں تحقیق مسئلہ کی ضرورت کثرت سے پیش آتی ہے اور علوم برہانیہ میں ایک واسطہ یا وسائط کثیرہ سے مقدمات بدیہیہ یا طریق برہان سے رجوع کرنا پڑتا ہے اور علوم خطابیہ میں طریق ظن سے کام لیا جاتا ہے۔

یہ تقریر ہے فن دانشمندی کی، جسے میں نے اپنے اساتذہ سے حاصل کیا ہے۔

کشمیریات

گلگت بلتستان کی آئینی حیثیت

تحریر: مولانا عنایت اللہ صاحب

سینئر نائب امیر جمعیت علمائے اسلام، چیئر مین دیامر گرینڈ جرگہ

گلگت بلتستان آئینی حوالے سے غیر منقسم کشمیر کا حصہ رہا ہے۔ برٹش انڈیا کے دور میں متحدہ ہندوستان کا حصہ رہا ہے۔ 1846ء میں معاہدہ امرتسر کے بعد راجہ گلاب سنگھ نے اس کا کنٹرول سنبھالا البتہ ایشیا کے توسیع پسندانہ نظریہ کو ملحوظ خاطر رکھ کر گلگت اور آس پاس کی ریاستیں جو ایشیا کی سرحدات پر واقع تھی کا دفاع اپنے کنٹرول میں رکھا تا کہ برٹش انڈیا کو ان متوقع خطرات سے محفوظ رکھ سکے۔

1947ء میں متحدہ ہندوستان کا بٹوارہ ہوا تو جس طرح آزاد کشمیر مجاہدین کی قربانیوں سے آزاد ہوا اسی طرح گلگت بلتستان کو بھی مقامی لوگوں نے مہاراجہ کے چنگل سے آزاد کرایا۔ گھنسارا سنگھ گرفتار ہوا۔ اس وقت سردار ابراہیم نے فریق کی حیثیت سے پاکستان کے ساتھ معاہدہ کیا کہ فی الحال مواصلاتی رابطوں کے فقدان کے پیش گلگت بلتستان کا انتظامی کنٹرول وفاق پاکستان سنبھالے۔

یہ معاہدہ کراچی میں ہوا جو اس وقت پاکستان کا دارالحکومت تھا، یہ کراچی معاہدہ کیوں وجود میں آیا۔ اگر گلگت بلتستان پاکستان کا حصہ ہوتا تو اس معاہدے کی ضرورت بالکل نہیں تھی۔ پھر حکومت پاکستان کو سردار ابراہیم جو کشمیر کا نمائندہ تھا کو فریق کی حیثیت سے بلانے کی کیوں ضرورت پیش آئی۔ اس کے بعد خود پاکستان نے اس خطے کو اقوام متحدہ میں لیجا کر ان قراردادوں میں شامل کرایا جو استصواب رائے کے حق اقوام متحدہ نے پاس کیں تھیں۔ اسی طرح اس خطے کے کشمیر کا حصہ ہونے کو حتمی شکل دی گئی۔ یہ وہ آئینی حقائق ہیں جن سے انکار سورج کو ہاتھ سے چھپانے کی ناکام کوشش قرار دی جاسکتی ہے۔ باضمیر قوموں کا یہ شیوہ نہیں کہ وہ ایک بدیہی حقیقت کا انکار کریں۔

افسوس اس بات پر ہے کہ جن لوگوں نے جی بی اے کے پلیٹ فارم سے پریس کانفرنسیں کیں، آزاد کشمیر کے دورے کئے اور متفقہ طور پر تسلیم کیا کہ یہ خطہ کشمیر کا حصہ ہے۔ انکے دستخط ان دستاویزات پر ثبت ہیں۔ آج وہ لوگ مکر گئے ہیں۔ کیا قوم کا حافظہ اتنا کمزور ہے۔ یہاں پر مسئلہ کشمیر سے الحاق یا عدم الحاق کا نہیں یہاں اصل مسئلہ عالم اسلام کے ایجنڈے پر موجود کروڑوں مقبوضہ کشمیر کے مسلمانوں کی آزادی کا ہے۔ جہاں پر وہ ستر سال سے بھارت کے مظالم سہ رہے ہیں۔ لاکھوں جانوں کی قربانیاں دیں اور ہزاروں عفت ماب ماؤں بہنوں کی عصمتیں تار تار ہوئیں۔

آج اس خطے کو پاکستان کا پانچواں آئینی صوبہ قرار دلوانے کی جدوجہد ان کروڑوں مسلمانوں کی آزادی اور ان کی ہمدردی سے ہاتھ کھینچنے کے مترادف ہے۔ ہاں اگر پس منظر میں کوئی مفاد کے حصول کا مقصد ہو تو ایک بدیہی حقیقت سے بھی انکار کیا جاسکتا ہے یہ خود غرض قوموں کی تاریخ ہے۔ ایسے لوگ ہمیشہ میر جعفر اور میر صادق کا کردار ادا کرتے رہتے ہیں مگر تاریخ انہیں

ہمیشہ ایک دجل وفریب کے نام سے ہی یاد کرتی ہے۔ ہمیں آئینی حقوق چاہیے مگر ایک دوسروں کو ساتھ لے کر، ایک دوسروں کے حقوق کی رعایت کرتے ہوئے کچھ لو اور کچھ دو کی بنیاد پر۔ لہذا ہمیں گروہی مفادات کی تنگ وتاریک گلی سے نکل کر خطے میں بسنے والے تمام فرقوں کے حقوق وجذبات کی رعایت کرتے ہوئے ایک کھلی شاہراہ پر آنا چاہئے اور ایک مشترکہ پلیٹ فارم سے حقوق کے لیے جدوجہد کرنا چاہیے۔ موجودہ پیکج ان تمام تقاضوں کو فالو نہیں کرتا ہے۔ اس کا دامن بہت تنگ ہے۔

ہمیں پاکستان کی سالمیت، خودمختاری اور تحفظ بہت عزیز ہے مگر مقبوضہ کشمیر کی آزادی کے بغیر پاکستان کی سالمیت کا خواب بھی ادھورا ہے۔ گلگت بلتستان کو مقبوضہ کشمیر کی آزادی سے قبل پاکستان کا پانچواں آئینی صوبہ قرار دلوانا پاکستان کی سالمیت کی دیوار پر نقب لگانے کے مترادف ہوگا۔ آج عالمی سطح پر کشمیر کے متنازع ہونے کے باوجود اور پاک بھارت کے درمیان واضح معاہدات کے باوجود بھارت ان تمام معاہدات کو خاطر میں نہ لاکر خلاف ورزیاں کرتا ہے اور ڈیم پر ڈیم بناتا جارہا ہے۔ اگر کل گلگت بلتستان کو پاکستان کا آئینی صوبہ بنائیں گا تو بھارت کے وارے نیارے ہو جائیں گے۔ وہ کہے گا، ٹھیک ہے جی! اُدھر تم اور اِدھر ہم! پھر تمام دریا بند کر کے پاکستان کو بنجر بنادیگا۔ تو عمیق جائزہ لینے سے پتہ چل رہا ہے کہ پانچواں صوبہ والے دراصل کس ایجنڈے سے کام کر رہے ہیں۔

لہذا قومی وحدت کا تحفظ کرتے ہوئے خطے میں بسنے والے تمام فرقوں کے حقوق وجذبات کو ملحوظ رکھیں۔ صوبہ کے نام پر صرف اپنی بالادستی کا جذبہ خطے میں مزید فرقہ واریت کو جنم دیگا۔ لہذا ہم اپنی آنے والی نسلوں کو ایثار ہمدردی امن بھائی چارہ کے راستے پر ڈال کر یہی شاہراہ ترقی گامزن رکھ سکتے ہیں نہ کہ قتل وغارت گری، ایک دوسرے کے حقوق کے استیصال اور ایک دوسرے پر بالادستی کے جذبے سے۔

ہم بار دیگر عرض کرنا چاہتے ہیں کہ اقوام متحدہ کی قراردادیں اس علاقے کو پانچواں صوبہ بنانے کے لیے رکاوٹ ہیں اور عالمی دنیا میں ہمارا موقف بھارت پر بھاری ہے۔ ہم صرف گلگت بلتستان کو پاکستان کا حصہ دیکھنا نہیں چاہتے ہیں بلکہ بیاسی ہزار مربع میل پر پھیلا پورا کشمیر مع گلگت بلتستان کو پاکستان کا آئینی صوبہ دیکھنا چاہتے ہیں۔ کاش کسی کو یہ واضح حقیقت سمجھ میں آجائے۔ لہذا قائدین ملت ہوش کے ناخن لیں وہ اپنی آنے والی نسلوں کو کس راستے پر ڈال رہے ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

☆☆☆☆☆

☆☆☆☆

☆

کشمیریات

دامنِ خیال

خطیب محترم! تیری آواز مکے اور مدینے

تحریر۔ محمد رحیم عزیز

(پرنسپل ریڈ فاؤنڈیشن سکول اینڈ کالج جٹیال گلگت)

....

عید الفطر کی خوشیوں کے رنگ میں بھنگ تو ایک دن پہلے ہی پڑ چکی تھی۔ کوئٹہ بم دھماکے میں آئی جی پولیس فیاض سنبل کا دیگر پولیس افسران کے ساتھ چل بسے تھے۔ اس اندوہناک واقعے کا اندوہناک پہلو یہ ہے کہ اب تو دہشت گرد اپنے دہشت گردی کا شکار ہونے والوں کو چین سے دفن ہونے بھی نہیں دیتے۔۔ دہشت گردوں کا نشانہ بننے والے پولیس سب انسپکٹر کے جنازے پر یہ خودکش حملہ کہ جس کے نتیجے میں 19 پولیس اہلکاروں سمیت 25 بے گناہوں کی موت نا گہانی پران کے گھروں میں جو صفِ ماتم بچھی ہوگی اس کا تصور کر کے ہی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

اور پھر کوئٹہ ہی میں عید کی نماز پڑھنے والوں پر دہشت گردوں کی فائرنگ کے نتیجے میں ہونے والی قیمتی انسانی جانوں کی زیاں نے تو رہی سہی کسر پوری کر دی تھی۔ بڑی مشکل سے خود کو سنبھال کے جیسے تیسے تیار ہو کر عید کی نماز پڑھنے ہیلی پیڈ فوجی عیدگاہ کی طرف چل پڑا۔ وہاں پہنچا تو نماز ہو چکی تھی۔ واپس وحدت کالونی کی جامع مسجد پہنچا۔ وہاں نماز زیادہ لیٹ تھی۔ اس لیے مرکزی عیدگاہ کو نو داس کی جانب گاڑی موڑ دی۔ عیدگاہ پہنچتے پہنچتے بھی کافی وقت لگا۔ اس لیے کہ ٹریفک زیادہ تھی بہر حال پولیس والوں کو سیلوٹ کہ ٹریفک کو جام ہونے سے بچائے رکھا۔

سکیورٹی والوں سے گزر کر عیدگاہ کے اندرونی دروازے میں داخل ہوا ہی تھا کہ خطیبِ بے بدل، کوہستان سے لے کر گلگت بلتستان تک لاکھوں عقیدت مندوں کے دلوں کی دھڑکن، شعلہ بیاں و شعلہ فشاں، سامعین کے دلوں پر بجلیاں گرانے کے ہنر سے آشنا محترم جناب قاضی نثار احمد، خطیب مرکزی جامع مسجد اہلِ سنت والجماعت وصدرِ تنظیم اہلِ سنت والجماعت کوہستان گلگت بلتستان اپنی خطابت کے جام کے جام سامعین پہ لنڈھا چکے تھے۔ میرے حصے میں جو دردِ تہہِ جام آیا وہی مجھے وجد میں لانے کے لیے کافی تھا۔ میکدوں کے میکدے اس کے آگے ہیچ تھے۔ غالباً مقامی وقومی اور بین الاقوامی حالات کا اجمالی نقشہ پیش کرنے کے بعد خطیبِ محترم GB کے موجودہ پیکج پر تبراء بھیج رہے تھے۔ آپ کے لبوں کو چوم کر نکلنے والے جب یہ جملے میری سماعت سے ٹکرائے کہ ''ہم گلگت بلتستان کو دیے گئے اس صوبائی پیکج پر لعنت بھیجتے ہیں۔

اس پیکیج نے حکمرانوں کی جیبیں تو ضرور بھری ہونگی مگر گلگت بلتستان کے لوگوں کو سوائے آہوں اور سسکیوں کے کچھ نہ دیا۔ لہٰذا ہم مرکزی حکومت سے مطالبہ کرتے ہیں کہ اس منحوس پیکج کو فی الفور واصلِ جہنم کر کے گلگت بلتستان کے لوگوں کو آزاد کشمیر کے ساتھ ملا کر مناسب آئینی حق سے بہرہ مند کر کے ان کی اشک شوئی کی جائے'' اپنے دِل کی آواز کو یوں مشک و عنبر میں نہا کر اپنے کانوں میں رس گھولتے محسوس کیا تو عالمِ بے خودی میں پکار اٹھا کہ ''خطیبِ محترم تیری آواز مکے اور مدینے'' کس قدر حقیقت افروز بات کہی تھی میرے ممدوح نے۔ کاش محترم مولانا عطاء اللہ صاحب شہاب کے گلستانِ خیال میں بھی ایسے

کنول کھلتے۔ خدا جانے کیوں ایک اچھی اور ذرخیز زمین پر پر گلاب کھلنے کی بجائے کانٹے اگتے ہیں۔ کانٹوں سے میری مراد موجودہ پیکیج کے مجھبھنے پر لٹو ہونا ہے۔ اس حوالے ہر سو قنوطیت کی کی فصل کے لہلہاتے دیکھنے کے باوجود میرا وجدان مجھے رجائیت کے گلزاروں کا چہار طرف مہک اٹھنے کی خبر دیتا ہے۔ یہ کہ مولانا شہاب جیسا زیرک آدمی جلد یا بدیر حقیقت آشنا ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اور ہم اس انتظار میں ہیں کہ کب مولانا شہاب کی گل افشانیِ گفتار سے اٹھنے والی مہک نہ صرف ہماری مشام جاں کو معطر معطر کردے گی بلکہ محترم حافظ حفیظ الرحمان کے بھی بلائیں لے گی تاکہ قاضی نثار کے شانہ بشانہ یہ بھی لیلیٰ آرزو کی محمل تک رسائی پاسکیں۔

تماشا کر اے محوِ آئینہ دازی

تجھے کس تمنا سے ہم دیکھتے ہیں

نظریاتی اختلاف اپنی جگہ۔ حافظ حفیظ الرحمان بعض حوالوں سے میرے ممدوح رہے ہیں۔ میں ان کی ادھ کھلی کلیوں جیسی شخصیت کا گرویدہ رہا ہوں۔ تاہم انہیں باور کرادینا چاہتا ہوں کہ گلگت بلتستان کا کشمیر کا حصہ ہونے یا نہ ہونے کے حوالے سے ان کی نیم دروں و نیم بروں والی پالیسی کہ جس کے لیے ذیل کا شعر حسبِ حال ہے شاید زیادہ دیر نہ چل سکے۔

خوب پردہ ہے کہ چلمن سے لگے بیٹھے ہیں

صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں

نیز وہ اگر صوبائی پیکج کی نیلم پری کے آغوش میں وزارت اعلیٰ کی باری لینے کا انتظار کرتے ہیں تو بھی خیال رہے کہ اس طرح کی وزارت عالیہ کا گیلا کمبل اوڑھنے سے نہ بدن کو راحت نصیب ہوسکتی ہے تو نہ ضمیر کو چین مل سکتا ہے۔

خطیبِ محترم کے خطبہ عید الفطر کے حوالے سے اس تمام تر خوش آئند صورتِ حال کے باوجود ایک حسرت دِل کے نہاں خانے سے گاہے پلٹ کر گاہے تڑپ کر سوئے کلیجہ بڑھی چلی جاتی ہے یہ کہ ایسی توانا آواز محترم قاضی نثار احمد صاحب اس وقت بلند کرتے جب اس پیکج کو مسلط کر کے گلگت بلتستان کو کشمیر سے جدا کرنے کی پیپلز پارٹی اپنی تئیں منصوبہ بندی کررہی تھی۔ ☆(ا) ایسا ڈراما گلگت بلتستان کی محبت میں کچھ زیادہ ہی مغلوب ہو کر نہیں بلکہ بھارت کی محبت کے زیر اثر کشمیر کے قضیے سے جان چھڑانے کے لیے تخلیق کیا گیا ہے۔ مگر یہ خدا اور خدا کی منشاء سے نابلد دماغ کی حاشیہ آرائی ہے۔ مگر جن کی بصیرت کی آنکھ میں موتیا نہیں اتر آیا وہ دیکھ سکتے ہیں کہ غزوہ ءہند کا الاؤ کشمیر ہی میں دھکایا جارہا ہے۔ پاکستان میں سیکولر ایلیٹ کلاس جو اپنی اپنی باری پر مسند اقتدار پر فائز ہوتی ہے غزوہ ءہند کے تصور سے بھی اپنی جان چھڑانا چاہتی ہے۔ وہ نہ صرف اپنی تجارتی مقاصد کی خاطر بھارت سے عشق و محبت کی پینگیں بڑھاتی ہے بلکہ غزوۂ ہند پر ایمان کے افق پر انہیں اپنے مکروفریب، جھوٹ اور منافقت کے بل بوتے پر قائم اقتدار کا سورج بھی ڈوبتا نظر آتا ہے۔ کیا وقتِ موجود کے یہ حکمراں غزوۂ ہند لڑسکیں گے۔ ایں خیال است و محال است و جنوں۔ یہ جنگ گھنی داڑھیوں اور اونچے پائینچوں والی مخلوق لڑے گی۔ جن کی تراش خراش ملکِ عزیز کی مغرب میں شروع ہوچکی ہے۔ کوئی مانے یا نہ مانے۔ ہماشا کے ماننے یا نہ ماننے سے اوپر والے کے فیصلے بدلنے کے نہیں۔ دیر آید درست آید۔ قاضی نثار کی آنکھ افق کے پار کا منظر دیکھ چکی ہے تب تو اس قدر دلوں کو پگھلا دینے والی بات کہنے کا انہیں ہنر آیا ہے۔ ہاں تو کارخانہ قدرت کا دستور تو روزِ اول سے ہی نرالا رہا ہے یہ کہ

خوشا بیداد خونِ حسرتِ بیداد ہوتا ہے

ستم ایجاد کرتے ہو کرم ایجاد ہوتا ہے

بڑی مشکل سے پیدا ایک آدم زاد ہوتا ہے

جو خود آزاد جس کا ہر نفس آزاد ہوتا ہے

....

☆.. یہ کالم گلگت بلتستان کے لوکل اخبارات میں بھی شائع ہوا ہے۔کالم نگار کے خصوصی طور پر ارسال کرنے پر نشر مکرر کے طور پر یہاں بھی شائع کیا جارہا ہے۔ادارہ

☆..(ا) قارئین کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ تنظیم اہل سنت والجماعت کی تمام مرکزی قیادت اور امیر محترم (قاضی نثار احمد صاحب) نے روز اول سے ہی اس نام نہاد سلف آرڈر 2009ء کی سخت مخالفت کی تھی۔اس دور کے تمام اخبارات ورسائل کے ریکارڈ پر موجود ہے۔ادارہ

....

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

☆☆☆☆☆☆☆☆

☆☆☆☆

☆☆

☆

....

بقیہ:

آپ کے مسائل اور ان کا حل

جواب: جب تک سفر کی نیت سے کوئی آدمی اپنے شہر کی آبادی سے باہر نہیں نکلتا ہے وہ مسافر قرار نہیں پاتا۔شہر کے ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں اور ایک محلے سے دوسرے محلے تک جا کر جو آدمی روزہ کھاتا ہے اس پر کفارہ لازم ہے۔اس پر دو ماہ مسلسل روزہ رکھنا لازم ہے۔لہذا صورت مسئلہ بالا میں ان پر کفارہ لازم ہے۔

معاهدات و ضوابط

امن معاہدہ (2005ء) آخر کب عمل در آمد کروایا جائے گا؟

پیش کردہ: مولانا قاضی نثار احمد، امیر تنظیم اہل سنت والجماعت گلگت بلتستان، خطیب مرکزی جامع مسجد گلگت

رئیس جامعہ نصرۃ الاسلام وعائشہ صدیقہ للبنات، مدیر اعلیٰ سہ ماہی نصرۃ الاسلام گلگت

سماجی بہتری اور رواداری کے لیے معاہدے تشکیل دیے جاتے ہیں۔ سماجی مفکرین نے عمرانی معاہدوں کی بڑی تفصیلی وضاحتیں اور فوائد گنوائے ہیں۔ انسانی تاریخ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ سماجی معاہدوں پر عمل ہونے سے مفید نتائج سامنے آئے ہیں۔ معاہدے اس لیے تشکیل پاتے ہیں کہ انسان آئے روز کے باہمی چپقلشوں سے چھٹکارا پائے، امن وامان جب مفقود ہوتا ہے تو انسان اپنے بہت سے آئینی، سماجی اور قانونی حقوق سے کسی مجلس، کمیٹی یا جرگہ کے حق میں دستبردار ہوتا ہے۔ اور وہ لوگ ان کے حقوق کے محافظ قرار پاتے ہیں، یہ معاہدے افراد اور معاشروں کے درمیان بھی ہوتے ہیں اور کبھی حکومت بھی ان میں باقاعدہ فریق کی حیثیت سے شریک عمل ہوتی ہے۔ ذیل میں گلگت بلتستان میں امن وامان کے قیام کے حوالے سے ترتیب دیا جانے والا ''امن معاہدہ 2005ء'' اور اس کی روشنی میں تشکیل پانے والی ''سفارشات جرگہ برائے کاروائی انتظامیہ وقانون ساز کونسل'' بلا کم وکاست پیش کیا جاتا ہے اور امن معاہدہ اور سفارشات جرگہ کے بعد پیش آنے والے واقعات اور صورت حال کا مختصر جائزہ لیا جاتا ہے۔ ''امن معاہدہ اور سفارشات جرگہ'' کا مکمل متن یہ ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

''امن معاہدہ''

مورخہ 8 جنوری کے ناخوشگوار اور دلخراش واقعات سے گلگت کی یہ دھرتی افسردہ اور خون چکاں ہو چکی تھی۔ ہر دردمند انسان اس دکھ سے نالاں تھا۔ شمالی علاقہ جات قانون ساز کونسل تسلسل سے لوگوں کو اس الجھاؤ اور رنج والم سے نکالنے کے لیے مصروف عمل تھی۔ قانون ساز اسمبلی کی کئی کوششیں کامیابی سے ہم کنار ہوتے ہوتے رہ گئیں۔

''ہوتا ہے جادہ پیما پھر کارواں ہمارا''

کے مصداق یہ کارواں قافلہ سالار جناب اسپیکر قانون ساز اکونسل ملک مسکین کی سرکردگی میں بڑھتا ہی چلا گیا۔ قانون ساز کونسل کی پارلیمانی کمیٹی مشتمل بر حافظ حفیظ الرحمان و میرزہ حسین ممبران ناردرن ایریا قانون ساز کونسل شمالی علاقہ جات گلگت کی دعوت پر سب ڈویژن گلگت کے لگ بھگ 1500 اکابرین جناب سپیکر ملک مسکین کی صدارت میں یکجا ہوئے اور قبائلی روایات کے مطابق 130 شیعہ سنی افراد پر مشتمل ایک گرینڈ جرگہ کو تخلیق کیا گیا۔ اس جرگے کے کئی اجلاس جناب اسپیکر کی صدارت میں ہوئے۔ کام میں آسانی اور سہولت پیدا کرنے کے لیے 130 اکابرین پر مشتمل جرگے نے اٹھارہ اٹھارہ شیعہ اور سنی جرگہ داران کو مختار عام بنا کر آگے پیش رفت کی روشنی دکھائی۔ اس جرگے کو انجمن امامیہ گلگت اور تنظیم اہل سنت والجماعت کی تائید حاصل ہوئی۔ اس جرگے کے کئی اجلاس ہوئے اور پھر امن سفارشات مرتب کرنے کے لیے چھ افراد کا چناؤ

ہوا، جن میں سید جعفر شاہ، محمد عیسیٰ ایڈووکیٹ، سید یحیٰ شاہ، پروفیسر عثمان، شیر ولی ایڈووکیٹ اور میر افضل سابق ڈی آئی جی شامل ہیں۔ اس کمیٹی نے سولہ نکات پر مشتمل امن معاہدہ اور دس نکات پر مشتمل سفارشات مرتب کر کے مورخہ 7 نومبر 2005ء کو جرگہ کے سامنے پیش کیا۔ جس سے معمولی تغیر کے بعد بالاتفاق منظور کرلیا گیا جس کا مکمل و حتمی متن ذیل میں دیا جاتا ہے۔

1..... خلفائے راشدین، صحابہ کرام، ازواج مطہرات، اہل بیت عظام اور آئمہ دین کی شان میں کسی بھی قسم کی گستاخی تقریری یا تحریری مطابق دفعہ 298 الف تعزیرات پاکستان مستوجب سزا ہوگا۔ ایسے جرائم کی سماعت انسداد دہشت گردی کورٹس کرے گی۔

2..... کوئی شخص کسی دوسرے فرقے سے وابستہ مسلمان کو کافر، مشرک یا ملحد نہیں کہے گا۔ خلاف ورزی کی شکل میں جرم زیر دفعہ 298 تعزیرات پاکستان قابل مواخذہ ہوگا۔ جرائم کا اختیار سماعت بھی دہشت گردی کورٹس کرے گی۔

3..... ٹاؤن ایریا کی تمام مساجد اور امام بارگاہوں میں لوڈ اسپیکر خارجی استعمال صرف اذان کے لیے مختص ہوگا۔ ان مقامات میں خطبہ، مذہبی مجالس اور تقاریب کے لیے اندرونی لوڈ اسپیکر کی آواز موجود سامعین کی سماعت تک ہوگی۔ خلاف ورزی قابل تعزیر جرم ہوگا۔

4..... جرگہ کے متعلقہ ارکان اپنے اپنے مرکزی مساجد کے لیے پندرہ پندرہ امن پسند باشعور اور پر خلوص ممبران پر مشتمل مسجد بورڈ قائم کریں گے اور جرگہ کے چھ ارکان کو آرڈینیٹر کے طور پر کام کریں۔ ان مرکزی مساجد کی سرگرمیاں ان بورڈوں کی تائید سے ہونگی۔

5..... شیعوں اور سنیوں کے مرکزی مساجد کے خطباء اور آئمہ کا سیاست میں حصہ لینے پر پابندی ہوگی۔ مذہب کے نام پر کسی بھی انتخابی عمل میں مداخلت نہیں کریں۔ خلاف ورزی قابل مواخذہ ہوگی۔

6..... مذہبی یا رسمی عبادات کی انجام دہی کے دوران کوئی بھی فریق دل آزار اور شر انگیز نعرے نہیں لگائے گی جس سے کسی دوسرے فریق کے جذبات کو ٹھیس پہنچتی ہو۔

7..... ہر جگہ ہر قسم کی چاکنگ سے اجتناب کیا جائے گا۔ نیز چٹانوں، پتھروں، دیواروں اور سڑکوں وغیرہ پر تحریریں یا نعرے لکھنا یا پوسٹر چسپاں کرنا جس سے کسی فریق کے جذبات برانگیخت ہوں پر پابندی ہوگی۔ خلاف ورزی مستوجب سزا ہوگی۔

8..... پبلک مقامات، سڑکوں اور شاہروں پر ہر قسم کے مذہبی علم، جھنڈے، پھریرے یا بینرز آویزاں کرنے پر پابندی ہوگی۔ خلاف ورزی کرنے پر قانون کے تحت سرزنش ہوگی۔

9..... جلوس نکالنے کے منظور شدہ راستوں پر نہ کوئی معترض ہوگا نہ مخل ہوگا۔ بلا اجازت یا منظوری نئے روٹس نکالنے پر پابندی ہوگی۔ خلاف ورزی قابل تعزیر جرم ہوگا۔

10..... چراغاں کے موجودہ منظور شدہ روایتی مقامات کے علاوہ نئے مقامات نیز پبلک شاہروں، راستوں، سڑکوں وغیرہ پر چراغاں نہیں کیا جائے گا۔ انحراف قابل تعزیر جرم ہوگا۔

11..... فریقین شیعہ اور سنی اقلیتی علاقوں میں بسنے والے افراد کے تحفظ کے ذمہ دار ہوں گے۔ اکثریتی علاقے کے دس اکابرین سرکاری طور پر ضمانت فراہم کر کے بے گھر ہوئے افراد کو دوبارہ ان کے گھروں میں لا بسائیں گے اور آئندہ کے

لیے ان کے مکمل تحفظ اور ذمہ داری مستوجب سزا ہوگی۔

12..... ایک دوسرے کے مسلکی عقائد اور فروعی اختلاف پر تنقید، قیل وقال پر پابندی ہوگی۔ نیز فرقہ وارانہ مواد پر مبنی تقاریر اور اخبارات ورسائل، جرائد و پمفلٹ، کتابوں اور دیگر ایسے لٹریچر کی تقسیم، خرید و فروخت و ترسیل پر پابندی ہوگی اور خلاف ورزی مستوجب سزا ہوگی۔

13..... شیعوں اور سنیوں کے مرکزی مساجد اور اس کے احاطوں کو کسی مذہبی یا سیاسی تنظیم یا انجمن کے دفتر کے طور پر استعمال نہیں کیا جائے گا۔

14..... قانون شکنی یا معاہدے کے خلاف ورزی کرنے کے مرتکب فرد یا افراد کو ہم مذہب یا ہم مسلک ہونے کے ناطے کسی قسم کی حمایت یا پشت پناہی نہیں کی جائے گی اور نہ ہی ایسے کسی امر کو مذہبی رنگ دیا جائے گا بلکہ اسے اس شخص کا ذاتی فعل قرار دے کر قانون کے پرسان پر چھوڑ دیا جائے گا۔

15..... فریقین کے درمیان 1988ء سے اب تک جتنے بھی معاہدات ہوئے ہیں۔ نیز نادرن ایریا کے قانون ساز کونسل کی مصالحتی کمیٹی کے سفارشات مورخہ 26 اگست 2001ء کو بحال اور موثر سمجھا جائے گا۔

16..... فریقین کے درمیان کوئی بھی تنازعہ پیدا ہو، وہ از خود کوئی اقدام کرنے سے باز رہیں گے۔ ان کے لیے ضروری ہوگا کہ وہ انتظامیہ یا جرگہ سے رجوع کریں اور انصاف طلب کریں۔

تحریر: مورخہ 7 نومبر 2005ء

مختصر وضاحتی تبصرہ وتوجہ:

یہاں امن معاہدہ کی تمام شقوں پر شق وار مختصر وضاحتی تبصرہ کیا جارہا ہے اگرچہ ان تمام شقوں کا علمی، تحقیقی و آئینی جائزہ لینے کی بھرپور گنجائش ہے مگر طوالت سے بچتے ہوئے ان تمام باتوں کی طرف اشارۃً توجہ دلائی جارہی ہے جن کی مخالفت بار بار کی گئی ہے۔ اور امن معاہدہ بے سود و عمل رہا۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اب بھی ایک نئے عزم کے ساتھ امن معاہدہ کو روبہ عمل لایا جاسکتا ہے۔ امن معاہدہ کی سولہ (۱۶) شقوں پر شق وار تبصرہ ملاحظہ کیجئے۔

1..... کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ امن معاہدے کی اس شق پر عمل کیا گیا ہے۔ یہ ایک مقدس شق تھی اس معاہدے کی، مگر بدقسمتی سے بار بار اس کی خلاف ورزی کی گئی۔ صرف محرم الحرم میں ہونے والی تقاریب بالخصوص چہلم کے موقع پر کی جانی والی تقریر کا بھی جائزہ لیا جائے تو حیرت سے آنکھیں کھل جائیں گے۔ ہم عرض کریں تو شکایت ہوگی تمہیں اپنی اداؤں پر غور کرنا ہوگا۔ کیا، انتظامیہ، مساجد بورڈ اور پارلیمانی کمیٹی اور جرگے کے اراکین نے اس شق کی خلاف ورزی پر کسی کا محاسبہ کیا ہے یا کسی کورٹس نے سوموٹو ایکشن لیا ہے؟۔

2..... یہ شق بھی غیر آئینی، غیر جمہوری، غیر اسلامی وغیر انسانی وغیر علمی ہے۔ اس شق کے ذریعے دلیل کو قوت ماننے سے انکار کیا جارہا ہے بلکہ قوت کو دلیل تسلیم کیا جارہا ہے۔ اس شق کا صاف مطلب یہ ہوا ہے کہ اگر کوئی خلاف اسلام کچھ بھی کہہ لے مگر پورا معاشرہ اپنا منہ وزبان بند کرلیں یعنی سی لے، مگر معاشرتی رواداری، اخوت اور امن کی خاطر ہم نے اس شق کو نہ صرف تسلیم کیا بلکہ اس پر مکمل عمل بھی کیا اور انتظامیہ سے اس کے نفاذ کا مطالبہ بھی کیا مگر اے وائے افسوس!! ایسا نہ ہوسکا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ کام تو خالص علمی و دینی درسگاہوں اور معروف دارالافتاؤں کا ہے کہ کون دائرہ اسلام میں ہے اور کون خارج ہے۔ مگر

ہمارے آن پڑھ جرگے نے جب اس شق کو معاہدے میں شامل کیا تھا تو ہمیں مجبوراً معاشرتی امن کے لیے قبول کرنا پڑا۔ مگر پھر بھی قیام امن ممکن نہ ہوسکا۔ تلطفاً ہم عرض کرتے ہیں کہ کیا اس شق سے دشمنان اسلام کو کھلی چھوٹ نہیں ملے گی کہ وہ جو چاہیے کہہ لیں اور کوئی ان کے خلاف ''آوازِ حق'' بھی بلند نہ کر سکے۔ کیونکہ معاہدے کی رو سے قانونی جرم قرار پایا ہے۔ یا للعجب

3.....اس شق کی بھی خوب خلاف ورزی ہوئی۔ وہ اس طرح کہ اتنے وزنی اور اعلیٰ سونڈ والے اسپیکر استعمال کیے جانے لگے کہ جن کے آواز سے قرب وجوار گونجتے رہے بلکہ دریا پار بھی یہ آواز صاف سنائی دی جانے لگی اور بد قسمتی سے ہنوز یہ سلسلہ جاری ہے۔ اگر چہ ان اسپیکروں کی بیرونی آواز بند تھی مگر آواز کسی بھی طرح اندر کی حد تک محدود نہ تھی۔ خصوصی ایام میں تو اسپیکر کا بے دردی سے استعمال کیا گیا۔ جو اس شق کے صریحا خلاف ورزی ہے۔ مگر قانون حرکت میں نہیں آیا، سنا ہے کہ قانون اندھا ہوتا ہے۔ اگر قانون اندھا ہوتا ہے تو اس کو کچھ دکھائی ہی نہ دیا ہوگا تو وہ کیسے حرکت میں آئے گا۔ اور اگر قانون حرکت میں آتا بھی تو اس کو روک دیا جاتا، کیونکہ باطل بہر صورت قانون سے زیادہ طاقتور ہے۔ اللہ ہم سب کی حفاظت فرمائے۔

4.....کیا ایسا ہوا ہے؟ یقیناً نہیں ایک دفعہ تو فریق ثانی کا مسجد کمیٹی کا پورا وفد میرے پاس آیا تھا کہ ہماری نہیں سنی جارہی ہے۔ بلکہ ہمیں تو عملی طور پر امورِ امام بارگاہ سے بے دخل کیا گیا ہے۔ ہم نے احتجاج بھی کیا تھا مگر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا، کسی کے کانوں جوں تک نہیں رینگی۔ مسجد اللہ کا گھر ہے۔ وہاں تمام سرگرمیاں مخلوق کو خدا سے جوڑنے کی اور مادیت سے بچا کر روحانیت کے راستے پر گامزن کرنے کی ہوتی ہیں۔ اس شق کے مطابق تو مسجد کی تمام عملی و علمی سرگرمیاں مسجد بورڈ کے اراکین کی منشاء ومرضی کے مطابق انجام دیے جانے ہونگے۔ اگر مسجد بورڈ کے اراکین کی منشاء ومرضی شامل نہ ہو تو مساجد میں تعلق مع اللہ کا کام ہی رک جائے۔ تو حکم خداوندی " فلاتدعوا مع الله احدا" کا عملی وجود ہی ختم ہوگا۔ مقام افسوس یہ ہے کہ جن لوگوں کو مسجد کے مقام اور کام سے کوئی خاطر ہی نہیں ان کی ذاتی خواہش کو امور مسجد سے معلق کر دیا گیا ہے۔ ایسی شقیں ہمارے جیسے معاشروں میں ہی تشکیل پائی جاتی ہیں مگر الحمدللہ ہم نے اس کی بھرپور تائید کی اور تندہی سے اس پر عمل بھی کیا، کیونکہ ہمارے نزدیک معاہدوں کی پاسداری دین کا ایک اہم حصہ ہے۔ " لا ایمان لمن لا عهد له" ہمارے سامنے معروف میثاق مدینہ ہے۔ جو اگر چہ ظاہراً مسلمانوں کے خلاف تھا چونکہ مسلمان معاہدہ کر چکے تھے لہذا اس کی تعمیل بھی کی۔ ہم بھی اس کو اپنے لیے اسوہ سمجھتے ہیں۔

5....کس قانون، آئین کی کس شق اور انسانی بنیادی حق کے عالمی چارٹر کی کس دفعہ کے تحت آئمہ مساجد پر سیاست اور انتخابی عمل میں حصہ لینے کو قابل مواخذہ جرم تسلیم کیا گیا ہے۔ ہم نے قیام امن کی خاطر، جرگے کے احترام میں اور حکومت اور فریق ثانی پر دلیل اور حجت قائم کرنے کے لیے اس غیر انسانی دفعہ کی تائید کی اور عمل بھی کیا مگر کیا فریق ثانی نے بھی اس پر عمل کیا؟۔ اور پھر کیا انتظامیہ کے ذمہ داروں نے بھی اس شق کو قابل عمل بنانے کے لیے کوئی کردار ادا کیا اور کیا خلاف ورزی کرنے والوں کو کٹہرے پر لا کھڑا کیا؟ یقیناً جواب نفی میں ہے۔

6....کیا بار بار اس دفعہ کی خلاف ورزی نہیں کی گئی، ایک فریق کے خلاف نعرے تو معمول کی بات ہے۔ ائمہ کبار، بزرگانِ دین اور اصحاب رسول کے خلاف زبانیں دراز کی گئیں۔ بھری مجلسوں اور مسلکی اجتماعات میں مذہبی جذبات کو ٹھیس پہنچایا گیا۔ اپنے رسوم کی ادائیگی میں دوسروں کی زندگی اجیرن کر دی گئی۔ نوبت یہاں تک پہنچی ہے کہ بعض مساجد میں نمازی کئی اوقات نمازیں ادا کرنے سے محروم رہے۔ جگہ جگہ ناکہ بندیاں، پولیس گردی اور وحشت انگیزی سے عوام دینی عبادات تو کجا گھروں سے باہر نہ نکل سکے۔ اور مساجد میں آذانیں دینے سے قاصر رہے۔ کیا دوسروں کے عبادات میں مخل ہونے کی

تشریح اس کے علاوہ اور بھی ہے۔دکھ تو اس بات پر ہے کہ یہ سب کچھ سرکار اور انتظامیہ نے خود انجام دیا بجائے خلاف ورزی کرنے والوں کو کٹہرے میں لا کھڑے کیا جاتا اور مواخذہ کیا جاتا۔

۷.....افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اس دفعہ کی اتنی خلاف ورزی ہوئی کہ اس پر صرف افسوس ہی کیا جاسکتا ہے۔چٹانیں، پتھر، دیواریں، اور دیگر پبلک مقامات تو رہے اپنی جگہ شہر گلگت کے اطراف میں واقع تمام پہاڑوں پر بھی بھاری قسم کی چاکنگ کی گئی جو ہنوز جاری وساری ہے۔آگ کی چاکنگ حکومتی و انتظامی سرپرستی اور معاونت سے ہورہی ہے۔ہم ہر عوامی و انتظامی فورم پر اس خلاف ورزی پر چیختے رہے مگر ہماری بات سننے، امن معاہدہ کی اس شق پر عمل درآمد کروانے کے بجائے ہمیں موردالزام ٹھرایا جاتا رہا۔

۸.....ان مقامات پر جھنڈے، علم اور پھریرے لگائے بغیر تو ہمارے مسلکی امور مکمل ہی نہیں ہو پاتے چہ جائیکہ ان سے پرہیز کیا جائے۔المیہ تو اس حد تک ہے کہ انتظامیہ کی اعلیٰ عمارتوں اور پولیس کی گاڑیوں پر بھی جھنڈے، علم اور پھریرے لٹکتے نظر آئینگے۔جگہ جگہ یہ جھنڈے، علم اور پھریرے اتنی کثرت سے نظر آتے ہیں کہ الامان والحفیظ۔اور تو اور گلگت سے جٹیال جانے والی مرکزی شاہراہ جہاں سے تمام وزراء، ارکان اسمبلی، سول و فوجی قیادت بار بار گزرتی ہے وہاں کئی قسم کے علم، جھنڈے اور پھریرے نظر آئیں گے۔اس سے بھی بڑی قابل افسوس بات یہ ہے کہ پاک فوج کے نوجوان ایسے پھریروں، جھنڈوں اور علموں کے سائے میں قانون کی عمل داری کے فرائض انجام دینے کے لیے چوکس کھڑے ہوتے ہیں۔کیا اس تمام تر کھلے عام خلاف ورزی پر آج تک کسی کی سرزنش قانون اور امن معاہدہ کے مطابق ہوئی ہے۔یہ تو بڑی بات ہے کیا آج تک ان پھریروں، جھنڈوں اور علموں کو اتروایا بھی جاسکا ہے؟۔

۹.....گزشتہ آٹھ سال سے مسلسل اس شق کی خلاف ورزی کی جاتی ہے۔کیا امن معاہدہ اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ فریق ثانی کی مرکزی مسجد کے سامنے جلوس کی شکل میں جم غفیر جمع ہو اور مشتعل انگیز نعرہ بازی کی جائے اور مضحکہ اڑاتے ہوئے جلوس کو روک کر نازیبا کلمات کہے جائے۔منظور شدہ روٹس کی خلاف ورزی ہورہی ہو۔مختلف اضلاع سے جلوس کی شکل اختیار کر کے عدالت عالیہ کے سامنے جلوس کو روک کر مشتعل نعرے لگائے جائے۔کیا اس شق کا یہی نتیجہ نکلنا تھا؟ کیا اس خلاف ورزی پر کسی انتظامیہ اور کسی عدالت نے ایکشن لیا؟ کیوں نہیں لیا کوئی بتا سکے گا؟ پھر بھی اس کو حکومتی نام نہ دیا جائے تو پھر کس کا نام دیا جائے؟۔

۱۰.....ہم چراغاں کی علمی و مذہبی حیثیت پر بات نہیں کریں گے مگر امن معاہدے کی رو سے انتظامی حیثیت سے ضرور یہ عرض کریں گے کہ جن جن مقامات میں انتظامیہ کی طرف سے تحریری چراغاں کرنے کی اجازت تھی مگر کیا، گلگت بلتستان کے سب سے بڑے منتظم یعنی بیوروکریسی کے آفیسر اعلیٰ جناب چیف سکریٹری کا گھر و دفتر اس اجازت میں شامل ہیں کہ وہاں چراغاں کا باقاعدہ انتظام ہو؟۔تقدیر کی بات تھی کی چیف سیکرٹری کی رہائش گاہ پر بھی چراغاں کیا گیا تھا جس دن شام کو ہم اپنی ٹیم کے ساتھ ان کے پاس ملاقات کے لیے گئے تھے۔

کیا پولیس کی اعلیٰ دفاتر پر بھی چراغاں کی تحریری اجازت ہے؟ جب ہم نے ۲۰۱۲ء میں چیف سکریٹری سے دوران ملاقات کہا کہ امن معاہدے کی رو سے ان جگہوں کے علاوہ کسی جگہ پر چراغاں کی قانونی و انتظامی اجازت نہیں مگر آپ کے گھر، دفتر اور فلاں فلاں سرکاری عمارت کو بطور چراغاں سجایا گیا ہے۔کیا آپ انتظامیہ کے اعلیٰ آفیسران اور قانون نافذ کرنے والے اداروں سے پوچھ سکیں گے کہ آخر ایسا کیوں کیا جارہا ہے؟ آخر علاقہ کو بدامنی کی طرف کیوں دھکیلا جارہا ہے؟ آخر امن

معاہدہ اور آپ کے واضح احکامات کی خلاف ورزی کیوں کی جارہی ہے؟ تو وہ بیچارہ بھی دھنگ رہ گیا اور کچھ ذمہ دار لوگوں کو فون پر سخت ہدایات بھی دیں مگر ہوا کچھ بھی نہیں۔

۱۱.....اس شق کو بھی بری طرح مجروح کیا گیا۔ بہت سے اکثریتی علاقوں سے اقلیتی لوگوں کو جائیداد اور گھر سستے داموں فرخت کرنے پر مجبور کر دیا گیا۔ انہیں ڈرا دھمکا کر قدیم زمانے سے آباد زمینیں اور جائیدادیں ہتھیالی گئی۔ کئی خاندان نقل مکانی پر مجبور ہو گئے۔ کئی ساروں کو ان کے گھروں میں گھس کر جان سے مار دیا گیا۔ ان کی راہ میں مزاحمت کرنے والے تیسرے فرد (اسماعیلی مکتبہ سے تعلق تھا) کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ فورسز کے نو جوانوں کو شہید کر دیا گیا۔ فورسز کے کماندار اعلیٰ کو چوبیس گھنٹے قید میں رکھا گیا اور آخر میں انتظامیہ اپنی عزت بچانے پر مجبور ہوئی اور وہاں کے لوگوں نے انتظامیہ کے عہدیداروں کو ٹوپیاں پہنا کر واپس بھیج دیا۔ یعنی مک مکاؤ کیا گیا۔ کیا قانون کی عمل داری اسی کو کہا جاتا ہے۔ اور مزے کی بات ہمارے منتظم اعلیٰ اور چیف ایگزیکٹو اس کو "مہمان نوازی" سے تعبیر کرتے ہیں۔ کاش کہ انتظامیہ اس امن معاہدے کی خلاف ورزی کرنے والوں کو قانون کے کٹہرے پر کھڑا کر دیتی۔ عدالتیں سوموٹو ایکشن لیتی۔ اور حساس ادارے ایسے لوگوں کی نشاندہی کرکے ان کے لیے کڑی سزائیں تیار کروانے اور دلوانے میں ممد و معاون ہوتی تو آج علاقے کے حالات مختلف ہوتے۔

۱۲.....اس شق پر بھی سوائے کف افسوس کے علاوہ کچھ نہیں کیا جاسکتا۔ کاش ایسی تمام کتابیں مارکیٹ سے غائب کر دی جاتی جن میں صحابہ کرام، بزرگان دین اور دینی مسلمات پر طعن و تشنیع اور نازیبا الفاظ کے تیر برسائے گئے ہیں۔ جن کتابوں میں اصحاب رسول جیسی عظیم شخصیات مطعون ٹھہرے اور وہ معتبر دینی کتب کی شکل میں سر عام تقسیم اور ان کے حوالے دیے جائے پھر امن کے لیے کمیٹیاں بھی تشکیل پائے۔ کیا ایسا ہونا ممکن ہے؟ ہمارا تو سیدھا سادا فارمولا ہے کہ "دوسروں کو چھیڑو نہیں اور اپنا مسلک و مذہب چھوڑو نہیں"۔

۱۳۔۔ یہ شق بھی آئین پاکستان اور انسانی حقوق کی خلاف ورزی پر مبنی ہے مگر ہم نے پھر بھی سر بہ خم تسلیم کیا۔ ہم نے کبھی بھی اپنی مسجد میں وزیر اعلیٰ گلگت بلتستان، وزراء اسمبلی اور دیگر ممبران اور وفاقی وزراء بلا کر پریس کانفرنسیں نہیں کی۔ اور نہ ہی خفیہ و اعلانیہ میٹنگیں کی۔ اور نہ ہی ہماری مرکزی مسجد میں وفاقی وزراء اور وزیر داخلہ نے بے شمار مذہبی و سیاسی تنظیموں اور انجمنوں کی موجودگی میں لمبی لمبی تقاریریں کیا ور پریس بریفنگز کیا ور نہ ہی ہمارے شہداء کی لیے تعزیت کا اہتمام کیا گیا اور نہ ہی وزیر داخلہ نے کرڑوں کے معاوضے ہماری مرکزی مسجد سے دینے کا اعلان کیا۔ اور بینک چیکیں تقسیم ہوئی۔ آخر یہ سب کیا ہے۔ کوئی بتلائیں کہ ہم بتلائیں۔

۱۴.....کاش ایسا ہوتا۔ اسلامی تعلیمات کے رو سے معاہدہ شکنی ایک بہت بڑا جرم ہے۔ اور معاہدہ شکنوں کی حمایت اس سے بڑا جرم مگر یہاں تو معاملہ ہی کچھ اور ہے۔ معاہدہ ہر اس چیز کو کہا جائے گا کہ کوئی قوم، حکومت یا انتظامیہ بطریق معروف یہ اطمینان کرلے ہمارے اور اس کے درمیان انتظامی امور میں تنازعہ نہیں ہے۔ قرآن میں "بینکم و بینھم میثاق" کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ ہم نے تحریری طور پر اس کی ضمانت دی۔ ممبران اسمبلی نے، گرینڈ امن جرگے نے۔ انتظامیہ نے۔ غرض ہر فورم میں اس امن معاہدہ ۲۰۰۵ء کی تشریح و تشہیر کا اہتمام کیا گیا۔ ہم نے بھی انتظامی ضرورت کی خاطر اس پر سر جھکایا کہ اگر اس طرح بھی امن ہو جاتا ہے تو کوئی مضائقہ نہیں مگر اے کاش! جس درندگی کے ساتھ اس امن معاہدے کو ردی کی ٹوکری میں پھینکا گیا اور بے حرمت کیا گیا شاید تاریخ انسانی میں کوئی مثال ملے۔ حکومتی ارباب نے طویل غور و خوص کے بعد ایک متفقہ

معاہدہ تشکیل دیا اور خود ہی اس کے پاؤں پر روز روز کلہاڑا چلایا۔ ہم آج بھی امن معاہدے کی شق نمبر ۱۴ کی رو سے اہم اداروں اور افراد سے گزارش کرتے ہیں کہ اس پر عمل درآمد کو یقینی بنایا جائے۔ مگر ہمارے ہاں تو اس امن معاہدے کے خلاف تقریریں تحریریں شائع ہوتی ہیں۔ اسمبلی میں ببانگ دہل انکار کیا جاتا ہے۔ پھر بھی وہ انتظامیہ کے مقرب ہوتے ہیں۔ امن کے چمپئین قرار پاتے ہیں۔ اخبارات میں انہیں امن کے سفیر لکھا جاتا ہے اور سرکاری کریڈٹ وصول کیا جاتا ہے اور ہم امن معاہدہ کی بات کریں، اس کی نفاذ کی بات کریں اور مختلف اداروں، شخصیات کی توجہ مبذول کرائیں تو قصوروار ٹھہر جائے۔ ہر جمعہ اور ہر اخباری بیان، پریس کانفرنس اور قرارداد میں ہم نے امن معاہدے کے نفاذ کی بات کیا اور خلاف ورزی کرنے والوں کو قانون کے کٹہرے پر لانے کی بات کی۔ نہ انتظامیہ نے توجہ دی۔ نہ حساس اداروں نے اپنے نوٹس میں لایا اور نہ ہی عدلیہ نے فعالیت دکھائی اور نہ ہی امن جرگہ وممبران اسمبلی ووزراء کرام نے۔

۱۵۔۔۔۔اس شق پر بھی سنجیدگی سے عمل نہیں کیا گیا۔

۱۶....اول تو ہم نے کوئی تنازعہ پیدا ہی نہیں کیا، مگر جانب آخر کی طرف سے بار بار اس شق کی بھی مخالفت کی گئی۔

امن معاہدہ سے متعلق سفارشات
جرگہ برائے کاروائی انتظامیہ وقانون ساز کونسل

یہ سفارشات بھی امن معاہدہ تشکیل دینے والے جرگہ کے احباب اور پارلیمانی کمیٹی کے ممبران کے متفقہ طور پر منظور شدہ ہیں۔ طوالت سے بچتے ہوئے ان سفارشات کو بلا تبصرہ پیش کرتے ہیں۔ تاہم یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ان تمام سفارشات پر بھی ایمانداری سے عمل نہیں کیا گیا۔

۱....۸ جنوری ۲۰۰۵ء سے لیکر اب تک جن لوگوں کی جائیدادیں تلف ہوئی ہیں ان کی خساروں کی تلافی کے لیے انتظامیہ کاروائی کر کے فوری ادائیگیوں کو یقینی بنائے۔

۲.....۸ جنوری ۲۰۰۵ء سے ۱۳ اکتوبر ۲۰۰۵ء تک اور درمیانی مدت میں جن کے عزیز واقارب شہید ہوئے ہیں، انتظامیہ ان کے تلافی مافات کے طور پر معقول معاوضاتی پیکج کا اعلان کریا وراس پر فوری عمل درآمد کرے تاکہ متاثرین کی دل جوئی ہوسکے۔ متاثرین ملازمین کے لیے حکومت نے جس پیکج کا اعلان کیا ہے اس پر عمل درآمد کو یقینی بنا جائے۔

۳...ملازمین کی فرقہ ورانہ تنظیمیں فوراً کالعدم قرار دی جائیں اور ملازمین پر نگاہ رکھی جائیکہ وہ مذہبی تنظیموں کے عہدہ دار نہ بنیں۔ جن لوگوں کو سیاسی ومذہبی امور میں ملوث پایا جائے ان کے خلاف سروسز رول کے تحت تادیبی کاروائی عمل میں لائی جائے۔

۴....تمام اضلاع میں شیعہ، سنی، اسماعیلی اور نوربخشی ملازمین کے بلاتفریق پوسٹنگ کی جائے اور موجودہ تقسیم بندی کو ختم کیا جائے۔

۵....سرکاری ملازمتوں میں تقرری صرف میرٹ کی بنیاد پر اور تبادلے سرکاری ضرورت کے تحت ہو۔ اس حوالے سے قانون ساز کونسل کے قائمہ سفارشات کو پیش نظر رکھا جائے۔

۶.....معقول وظائف کا تعین کر کے نمبرداری اور چوکیداری نظام کو از سر نو منظّم کیا جائے۔

۷.....نادرن ایریاز قانون ساز کونسل اور بلدیاتی نظام کو منظّم کر کے بااختیار اور مستحکم کیا جائے۔

۸.....انتظامیہ شمالی علاقہ جات میں فی الوقت موجودہ پتھروں، چٹانوں، دیواروں اور دیگر مقامات پر موجود تمام لکھواتوں اور نقوش کو مٹائے، بازاروں شاہروں اور پبلک مقامات پر آویزاں پوسٹرز ہٹائے تاکہ علاقے کا قدرتی حسن عود کر آئے۔

۹.....خوشگوار ماحول کے قیام کے لیے ایم پی او کے تحت گرفتار لوگوں کو رہا کیا جائے، بے گناہ گرفتار لوگوں کے کیسز پر نظر ثانی کی جائے اور مساجد کو واگزار کیا جائے تاکہ نئے احساسات اور ذمہ داریوں کے ساتھ امن کو راہوں پر چلا جا سکے۔

۱۰.....انتظامیہ اور قانون ساز کونسل جرگہ نظام کو ایک مستقل ادارے کی حیثیت دے کر اسے قانونی جواز فراہم کرے تاکہ امن آشتی کی راہیں کشادہ رکھی جاسکیں۔

ممبران جرگہ کے نام اور دستخط:

امن معاہدہ اور اس کی روشنی میں تشکیل پانے والی سفارشات پر جرگہ کے ان تمام اراکین اور پارلیمانی کمیٹی کے ممبران کے دستخط موجود ہے۔ جس کی نقل ہمارے پاس محفوظ ہے۔ اراکین کے نام مع عہدہ یہ ہیں۔

۱... پروفیسر عثمان علی، سابق پرنسپل آف ایجوکیشن
۲.....حاجی میر افضل، سابق ڈی آئی جی پولیس شمالی علاقہ جات
۳...حاجی شیر ولی ایڈوکیٹ صدر ہائی کورٹ بار ایسوسی ایشن شمالی علاقہ جات
۴...سعید احمد خان، سابق ہوم سکریٹری جوٹیال گلگت
۵...حاجی حسن خان، سابق ایڈمنسٹریٹرز کواۃ وعشر گلگت
۶..راجہ نثار ولی، سابق ممبر تنظیم اہل سنت والجماعت خومر گلگت
۷..جاوید اختر ایڈوکیٹ، سابق چیرمین بلدیہ، کشروٹ گلگت
۸...جاوید اقبال ایڈوکیٹ، کشروٹ گلگت
۹... سنبل شاہ، سابق ممبر این اے کونسل کشروٹ گلگت
۱۰...افسر جان، ٹھکیدار مجینی محلّہ گلگت
۱۱... منظور احمد ایڈوکیٹ، کورٹ محلّہ گلگت
۱۲...متولی خان، سابق چیئرمین بلدیہ یادگار محلّہ گلگت
۱۳...حاجی عبدالقادر، سابق جیلر کشروٹ گلگت
۱۴...میر نواز خان، ایڈوکیٹ مجینی محلّہ گلگت
۱۵...محمد افضل، سابق چیئرمین بلدیہ، امپھری گلگت
۱۶...محمد اسلم ایڈوکیٹ، مناور گلگت
۱۷...حاجی ولایت خان، سابق ایکسئین شکیوٹ گلگت
۱۸...رشید خان، سابق ایکسین، جگلوٹ گلگت

۱.....سید یحییٰ شاہ، سابق ممبر این اے کونسل نگر
۲...محمد عیسیٰ ایڈوکیٹ، سابق صدر ہائی کورٹ
۳.....سید جعفر شاہ سابق ممبر قانون ساز کونسل
۴...میجر ریٹائرڈ حسین شاہ، امپھری گلگت
۵...غلام نبی وفا، سابق ہیڈ ماسٹر جلال آباد گلگت
۶... غلم مرتضیٰ پاکستان، جلال آباد
۷...امجد حسین ایڈوکیٹ، امپھری گلگت
۸...شاہ مرزا، سابق ڈی ایف او جلال آباد
۹...حاجی محمد انور، سابق اے ڈی خومر گلگت
۱۰...اسد اللہ ایڈوکیٹ، خومر گلگت
۱۱...جاوید احمد ایڈوکیٹ، مجینی محلّہ گلگت
۱۲...حاجی علی گوہر، بگروٹ گلگت
۱۳... منیر احمد ایڈوکیٹ، گلگت
۱۴...قلب علی، ممبر ڈسٹرکٹ کونسل، نگر
۱۵...شیخ ناصر حسین نجفی، دنیور گلگت
۱۶...نمبردار محمد رفیق، دنیور گلگت
۱۷...وزیر سجاد علی، سابق ایس پی، خومر گلگت
۱۸...راجہ ناصر، روپل ان گلگت

☆☆... پارلیمانی کمیٹی قانون ساز کونسل شمالی علاقہ جات گلگت

۱... ملک محمد مسکین، سپیکر NALC (چیئر مین) ۲... سید اسد زیدی، ڈپٹی سپیکر NALC
۳... حافظ حفیظ الرحمان، ممبر NALC ۴... میرزہ حسین، ممبر NALC
۵... حیدر خان، ممبر NALC ۶... آفتاب حیدر، ممبر NALC

....

نوٹ:

سہ ماہی نصرۃ الاسلام کی اگلی کسی اشاعت میں ۲۰۱۲ء کو تیار کردہ ''مساجد بورڈ کا ضابطہ خلاق'' بھی تفصیلی تبصرے کے ساتھ پیش کیا جائے گا تا کہ ارباب حکومت، حساس ادارے، انتظامیہ، اصحاب علم وعمل، صاحبان فکر و دانش، قلم کار، صحافی حضرات، فریقین جرگہ اور فریق آخر کو دلیل وعمل سے بتلایا جائے گا کہ اس ضابطہ پر بھی کس نے کتنا عمل کیا اور کون بھاگتا رہا۔

کیا ہم یہ عرض میں حق بجانب نہیں ہیں کہ جب یہ معاہدہ، سفارشات اور ضابطہ اخلاق تیار کیا جارہا تھا تو ہم نے بارہا عرض کیا تھا کہ اس طرح امن ممکن نہیں۔

میڈیا کے ذریعے ہمیں بدنام بھی کیا گیا مگر وائے افسوس ان لوگوں پر جو اس وقت کہہ رہے تھے کہ ہم ان ضوابطہ کی تشکیل میں رکاوٹ ہیں۔ ہم نے علاقے میں امن کی خاطر ناجائز مطالبات بھی تسلیم کیے وراس پر کاربند بھی رہے مگر جن لوگوں نے ان معاہدات، سفارشات اور ضوابط کو ترتیب دیا تھا، میڈیا کے ذریعے پرچار کی تھی اور محترم ایوانوں سے منظوری لی گئی تھی، کیا آج وہ بتا سکیں گے کہ وہ ان معاہدات، سفارشات اور ضوابط پر عمل درآمد اوران کے نفاذ سے کیوں کترا رہے ہیں؟

اور ہمیں افسوس ان لوگوں پر بھی ہے کہ جو ملک کے دیگر شہروں میں جاکر بالخصوص دینی اجتماعات وعلمی شخصیات سے کہتے ہیں کہ ہماری پارٹی نے گلگت اسمبلی میں توہین صحابہ پر بل منظور کروایا ہے؟

حیرت ہوتی ہے کہ اتنی جرأت سے جھوٹ بولا جارہا ہے کہ الامان والحفیظ۔ وہ لوگ کیا خاک توہین صحابہ پر بل پیش کریں گے جو اپنی جماعت کا سیاسی مؤقف واضح بیان نہیں کر سکتے۔ اخبارات میں کچھ کہتے ہیں، منشور میں کچھ لکھتے ہیں اور نجی میٹنگوں میں اورالاپتے ہیں۔

ضابطہ اخلاق کے حوالے سے ان لوگوں کا ابتدائی تیار کردہ فارمیٹ پڑھ کر ہماری تو آنکھیں کھل گئی تھی کہ کیا علماء دین بھی ایسے الفاظ لکھ سکتے ہیں۔ یقیناً ڈالر کی جھونک انسان کو اس سے بھی کہیں نیچے گرادیتی ہے۔

کیا کوئی ہمیں بتلائے گا کہ یہ بل کس صاحب نے اسمبلی میں خواندگی کے لیے پیش کیا تھا؟ اوراس کی کاروائی کیسے ہوئی تھی اور کتنے ووٹ پڑے تھے مگر ایسا ممکن نہیں۔ مساجد ایکٹ پر مبنی یہ ایکٹ کو تو پورے گلگت بلتستان سے آئے ہوئے علماء کرام نے طویل علمی مباحثہ اور غور وفکر کے بعد ترتیب دیا تھا۔

اور اسمبلی سے باہر ہی دونوں فریقین نے اس ایکٹ پر دستخط کیے تھے اور علماء کرام نے اطمینان کا اظہار کیا تھا۔ کیا کوئی بتلا سکے گا کہ ''توہین صحابہ'' کے بل منظور کروانے کے دعویدار اس وقت ان علماء پر کتنا غصہ کھا رہے تھے۔ اور اخباری بیانات جاری کروارہے تھے۔ اور آج ڈھٹائی سے کہا جارہا ہے کہ ہم نے اسمبلی سے ''توہین صحابہ'' بل منظور کروایا۔

ہم تو گزارش کر رہے ہیں کہ وہ علی الاعلان گلگت میں یہ بات کیوں نہیں کرتے کہ ہم نے ایسا کارنامہ انجام دیا۔ سچ یہ ہے کہ ان سے قیامت تک ایسا ممکن نہیں۔ ہاں یہ ضرور ہوگا کہ الفاظ و جملوں اور واقعات و حالات کو توڑ موڑ کر وہ اس پورے عمل میں خود کو شریک کار سمجھیں گے اور اخباری و سرکاری سطح پر چھپ چھپ کر کریڈیٹ لینے کی کوشش بھی کریں گے مگر عوام اتنی بے شعور نہیں اور نہ ہی مورخ اتنا ناانصاف ہے کہ وہ سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ کہیے۔

یہ بات سب پر عیاں ہے کہ جب یہ ایکٹ بن رہی تھی تو کون پس دیوار زنداں تھا، کون ہوم اریسٹ تھا اور کون بڑے بڑے ہوٹلوں میں روسٹ اور چائینیز کھانے تناول فرما رہے تھے اور قیمتی گاڑیوں میں محو سفر تھے اور اپنوں کو لتاڑ رہے۔ مچھ، اڈیالہ اور دوسرے خوفناک مناظر سے ڈرا رہے تھے۔ وہ کون لوگ تھے جو اپنے لوگوں کو منبر اور مسجد سے بے دخل کرنے کی کوشش میں مصروف تھے اور مختلف میڈیائی فورم میں آ کر کس طرح اپنوں کے دل کاٹ رہے تھے اور غیروں کی آنکھوں کا تارا بن رہے تھے۔ یہ مناظر پورے ملک میں دیکھے گئے۔

جو لوگ اسمبلی کا حصہ ہی نہیں وہ اسمبلی میں بل پاس کرنے کی باتیں کریں گے تو یقیناً افسوس ہی کیا جا سکتا ہے۔ چار سال میں ایک معمولی قرارداد پیش نہ کر سکے اور نہ ہی اپنے جماعت کے منشور کو اسمبلی میں بیان کر سکے بلکہ جب تک حکومت میں ہیں اپنے مرکزی اور علاقائی منشور کے خلاف بیانات دیتے رہے اور اہل سنت عوام کے زخموں پر نمک ملتے رہے اور وہ لوگ اگر اسمبلی سے ''توہین صحابہ'' بل کی منظوری کا کریڈیٹ لینے کے لیے جھوٹ کا سہارا لیں تو کیا عوام اور مورخ مانے گا۔

یہ سچ ہے کہ اسمبلی میں ایک ایکٹ پر مباحثہ ہوا مگر اس ایکٹ کے تیار کنندہ کون تھے، پورے گلگت بالخصوص ضلع دیامر اور تنظیم اہل سنت والجماعت ہی کی حمایت اور پشت پر مضبوطی سے کھڑے ہونے کی وجہ سے ایک ممبر اسمبلی میں بحث میں حصہ لے رہا تھا۔ وہ سب عیاں ہے۔

اسی ایکٹ کی وجہ سے تو اہل سنت والجماعت کی پوری مرکزی قیادت پس دیوار زنداں تھی اور مصائب سہہ رہی تھی مگر افسوس جھوٹ کے ذریعے کریڈیٹ کوئی اور لینا چاہتا ہے۔ یہ تمام تر لکھاوٹ کا مقصد صرف ریکارڈ درست کرنا ہے۔ تا کہ آنے والے دنوں میں سچ اور جھوٹ میں فرق واضح ہو سکے۔

☆☆☆☆☆

آپ بیتی

''تذکرہ ایک مضطرب شخص کا''

تحریر: مفسرِ قرآن، حضرت مولانا محمد اسلم شیخوپوری شہیدؒ
کالم نگار ہفت روزہ ضرب مومن کراچی

ایک شخص ہے جو مستقل اضطراب کا شکار ہے، اسے کسی پل چین نہیں۔ وہ شروع سے ایسا نہ تھا بلکہ کچھ عرصہ ہوا ہے کہ اضطراب نے اسے ہر طرف سے گھیر لیا ہے۔ دل میں اضطراب، زبان میں اضطراب، قلم میں اضطراب، حرکات وسکنات میں اضطراب، لیل ونہار میں اضطراب، وہ کچھ کرنا چاہتا ہے لیکن کرنہیں پاتا۔ جو کچھ دیکھنا چاہتا ہے دیکھ نہیں پاتا، اس کے خواب چکنا چور ہوجاتے ہیں، تخیلات فضاء میں بکھر جاتے ہیں، جنہیں بڑا سمجھتا ہے وہ چھوٹے ثابت ہوتے ہیں، جنہیں امامت کے منصب پر فائز دیکھنا چاہتا ہے وہ اقتداء کے اہل بھی ثابت نہیں ہوتے، جنکی گفتار اسکا دل موہ لیتی ہے انکا کردار اس کے دل کو غم سے بھر دیتا ہے۔ وہ بولنا چاہتا ہے مگر زبان شرحِ آرزو نہیں کرتی۔ وہ لکھنا چاہتا ہے مگر قلم گونگا ثابت ہوتا ہے۔ اس کی تقریر بے ربطی کا شکار ہوجاتی ہے، اسکی تحریر ادیبانہ بانکپن سے محروم ہوجاتی ہے۔ وہ رموزِ تصوف سے ناواقف ہے، افتاء کے اصول وہ نہیں جانتا، تدریس کے میدان کا وہ شہسوار نہیں، پیادہ ہے، قیادت کا وہ اہل نہیں، اس کے پاس اضطراب کے سوا کچھ نہیں۔

بایں ہمہ حیرت انگیز امر یہ ہے کہ میں نے اس شخص کے بارے میں بعض لوگوں کو انتہائی مبالغہ کرتے ہوئے دیکھا اور سنا ہے، کوئی اسے ادیب سمجھتا ہے اور کوئی خطیب، کوئی مفسر اور کوئی شیخ الحدیث، کوئی اسکالر اور کوئی علاّمہ فہّامہ۔ حالانکہ یہ سب کچھ رنگ آمیزی اور سخن سازی کے سوا کچھ نہیں، یہ دور ہی سخن سازی اور الفاظ والقاب کی بے حرمتی کا ہے۔ لوگ بلاسوچے سمجھے جس لقب کو جہاں چاہتے ہیں فٹ کردیتے ہیں، اس شخص کے ساتھ بھی ایسا ہی ہورہا ہے، مبالغہ کرنے والوں کے علاوہ کچھ اور لوگ بھی ہیں جو اس کے بارے میں متجسس ہیں، وہ جاننا چاہتے ہیں کہ یہ کون ہے؟ کیا ہے؟ کیسا ہے؟ چونکہ میں اس شخص کو کم وبیش ۴۴ سال سے جانتا ہوں، میں نے اس کا بچپن بھی دیکھا ہے اور جوانی بھی، خلوت بھی دیکھی ہے اور جلوت بھی، اسکی خوبیوں سے بھی واقف ہوں اور کمزوریوں سے بھی اس لئے آج کے کالم میں اسی کا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں۔

جہاں تک میں نے تحقیق کی ہے اس شخص کے آباء اجداد سکھ تھے، غالبا اس کے پردادا نے اسلام قبول کیا اور انہی سے اسلامی نسل کا آغاز ہوا، اسلام قبول کرلینے کے باوجود اسکے خاندان سے کسی فرد کو نمایاں طور پر خدمتِ اسلام کی سعادت حاصل نہیں ہوسکی، نہ کوئی عالمِ دین بن سکا اور نہ حافظ وقاری، یہ لوگ خالص دیہاتی کاشت کار اور سیدھے سادھے مسلمان تھے، مسجد سے انکا تعلق نماز کی ادائیگی تک محدود تھا، مدرسہ سے وہ کوسوں دور تھے، انکا خیال تھا کہ مدرسہ میں صرف یتیم پڑھتے ہیں اسی لئے اسکے علاقے میں مدرسہ کو یتیم خانہ کہا جاتا تھا۔

یہ شخص ۱۹۵۹ء کے لگ بھگ لدھڑ ضلع شیخوپورہ پنجاب میں محمد حسین نامی ایک شخص کے گھر میں پیدا ہوا جسکا پیشہ

کاشتکاری تھا، یہ شخص جب پیدا ہوا تو تندرست تھا، ڈھائی تین سال کی عمر میں چلنے پھرنے کے قابل ہوا تو فالج کی وجہ سے اسکی ٹانگیں مفلوج ہو گئیں، اس کے کاشت کار والد نے اپنے وسائل کے مطابق علاج معالجے میں کوئی کسر نہ چھوڑی مگر وہ کھڑا نہ ہو سکا۔ایسا لگتا ہے کہ اسے کسی خاص مقصد کے لئے بٹھا دیا گیا تھا مگر اس کے والدین اس مقصد کو سمجھ نہ سکے اس لئے وہ اسکے بیٹھ جانے پر چھپ چھپ کر رویا کرتے تھے، وہ انہیں روتے دیکھتا تو بے چین ہو جاتا، بے چین ہونے کے سوا وہ کر بھی کیا سکتا تھا؟ پڑھنے لکھنے کے قابل ہوا تو اسے اسکول میں داخل کرا دیا گیا، وہ تیسری بار چوتھی جماعت میں پڑھ رہا تھا، نو سال کے قریب عمر تھی کہ امام مسجد کی ترغیب پر اسے حفظِ قرآن پر لگا دیا گیا، یہ کام اسے بڑا مشکل محسوس ہوا، اس مبارک کام میں لگنے میں اسکی خواہش کا ہرگز دخل نہ تھا، وہ اپنے ہم عمروں کے ساتھ مٹی کے گھروندے بنانا چاہتا تھا، گلی ڈنڈے کے میچ دیکھنا چاہتا تھا، گلی کوچوں میں خاک بسر ہونا چاہتا تھا، کبڈی اور کشتی کے دنگل سے لطف اندوز ہونا چاہتا تھا مگر اسکی یہ خواہش پوری نہ ہو سکی۔

قسّام ازل نے جو فیصلہ کر دیا تھا وہ پورا ہو کر رہا، صرف گیارہ ماہ کے عرصے میں کائنات کی سب سے بڑی دولت اسکے سینے میں محفوظ ہو گئی مگر اسے اپنے دولت مند ہونے کا احساس نہ ہوا، وہ بے وقوف اپنے آپ کو ''فقیر'' ہی سمجھتا رہا، حفظ مکمل ہو جانے کے بعد اسے قریبی شہر کے کسی مدرسہ میں داخل کرنے کا مشورہ ہوا، یہاں کا اکلوتا مدرسہ ان حضرات کے تصرف میں تھا جنکی نظر میں قرآن کی تعلیم و تدریس سے زیادہ ''قرآن خوانیوں'' کو اہمیت حاصل تھی چنانچہ چند ماہ اس مدرسہ کا طالب علم رہ کر وہ بھی ''خوانیوں'' کو انجوائے کرتا رہا، ان ''خوانیوں'' میں ''خوانی'' سے زیادہ ''خوردنی'' پر توجہ دی جاتی تھی۔

قریب تھا کہ وہ بھی شکم پروری کو اپنا مقصدِ زندگی بنا لیتا کہ دستِ غیب نے پھر اپنی طاقت اور قدرت کا اظہار فرمایا اور اس شخص کو علماء حق کے مختلف مدارس کی خاک چھاننے اور وہاں سے خوشہ چینی کا موقع مل گیا۔ جس میں جامعہ بنوری ٹاؤن، اور جامعہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ شامل ہیں۔

حقیقت یہ کہ مدارس میں اس نے بے دلی سے داخلہ لیا تھا لیکن اس وقت اس کا ذہن اور حافظہ اچھا تھا اس لئے بے دلی کے باوجود وہ آگے بڑھتا رہا، تا آنکہ اسے سندِ فراغت حاصل ہو گئی، اور وقت کے بڑے بڑے مشائخ سے اسے استفادہ کا موقع ملا۔ جن میں مفتی ولی حسن خان ٹونکیؒ، مولانا محمد ادریس میرٹھیؒ، مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ، مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتیؒ، مولانا محمد بدیع الزمانؒ، مولانا سید مصباح اللہ شاہؒ، مولانا محمد سواتیؒ، مولانا عبدالقیوم چترالیؒ، مولانا محمد امین اورکزئیؒ، مفتی احمد الرحمٰنؒ، مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختارؒ، مولانا ڈاکٹر عبدالرزّاق اسکندر، مولانا محمد انور بدخشانی اور مفتی محمد عیسٰی خان مدظلہم وغیرہ حضرات اکابر شامل ہیں۔ جبکہ بیعت وارادت کے حوالے سے اسے حضرت مفتی محمد تقی عثمانی اور حضرت مولانا حافظ ابرار الحق کلیانوی کی صحبت نصیب ہوئی۔ مگر وہ ناکارہ شخص اپنی نااہلی اور کاہلی کی بناء پر اتنے عظیم بزرگوں سے کچھ بھی فائدہ حاصل نہ کر سکا، جس کی حسرت آج بھی اسکے دل کا مستقل داغ بنی ہوئی ہے، لیکن اس نعمت پر وہ اپنے رب کا شکر ادا کرتا رہتا ہے کہ ان بزرگوں سے تلمذ وارادت کا تعلق اس کو نصیب ہو گیا۔

فراغت کے بعد اس کے دل میں دینی اعتبار سے گاؤں کی اصلاح کا جذبہ بڑی شدت سے پیدا ہوا، چنانچہ اس نے شہر میں تدریس کی پیشکش کے باوجود گاؤں کا رخ کیا اور ایک سال تک وہاں سرتوڑ کوشش کی، اس کوشش کے کچھ آثار نظر آنے لگے تو گاؤں کے چند وڈیروں کو الہام ہوا کہ یہ تو وہابی ہے، تو تکرار سے بات ہاتھا پائی تک پہنچی اور فریقین کے کچھ افراد (جن

میں اسکے والد مرحوم بھی شامل تھے) زخمی ہو گئے ۔ حالات کا یہ رُخ دیکھ کر اس پر جوش داعی نے ہمت ہار دی اور گاؤں چھوڑ کر شہر کا رُخ کیا۔ یہاں اسے ایک جامعہ (جامعہ بنوریہ عالمیہ) میں تقریبا ۱۹ سال تدریس کا موقع ملا چونکہ وہ جامعہ کے ابتدائی اساتذہ میں سے تھا اس لئے صلاحیت نہ ہونے کے باوجود اسے آگے بڑھنے کے زیادہ مواقع میسر آئے اور اسے انتہائی درجات کے اسباق پڑھانے کا موقع ملا۔ اس شخص نے لکھنے لکھانے کا سلسلہ تو زمانہ طالب علمی سے ہی شروع کر دیا تھا۔ چنانچہ جامعہ بنوری ٹاؤن کے زمانۂ طالب علمی میں سب سے پہلا مضمون جس کو واقعی مضمون کہا جا سکتا تھا وہ اس نے حضرت علامہ محمد یوسف بنوریؒ پر لکھا جو حسنِ اتفاق سے ماہنامہ بینات کی اشاعتِ خاص ''محدث العصر'' نمبر میں چھپ گیا بس پھر کیا تھا اس کو لکھنے کا چسکا چڑھ گیا پھر جامعہ بنوریہ میں دورانِ تدریس فرصت کے لمحات کو غنیمت جانتے ہوئے اس نے ایک دو کتابیں لکھ دیں، ان کتابوں کو غیر معمولی پذیرائی ملی، اس پذیرائی نے اسکا حوصلہ بڑھا دیا اور اس نے باقاعدہ لکھنا شروع کر دیا۔ اور جامعہ بنوریہ کے ترجمان ماہنامہ البنوریہ کی ادارت اس کے حوالے کر دی گئی۔ بعد ازاں ہفت روزہ ضربِ مؤمن اور روزنامہ اسلام میں بھی اس نے لکھنا شروع کر دیا۔

حقیقت یہ ہے کہ اسے لکھنے کا ڈھنگ نہیں آتا، بسا اوقات چند صفحوں کا مضمون لکھنے کے لئے بھی اسے خاصی محنت کرنا پڑتی ہے، اس کی کتابوں اور مضامین نے اسے شہرت کی بلندیوں تک پہنچا دیا ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس شہرت نے اس کا دماغ خراب نہیں کیا اور وہ اپنے بارے میں کسی غلط فہمی کا شکار نہیں ہوا، ورنہ یہ شہرت بڑے بڑے کار آمد لوگوں کا ستیاناس کر دیتی ہے۔ اس شخص کو اپنی کمزوریوں کا بخوبی علم ہے اور اعمال نامے کا سیاہ حصہ اسے اکثر متحضر رہتا ہے اسی لئے وہ خلوت کی تلاش میں رہتا ہے تا کہ کچھ آنسو بہا کر اس سیاہی کو دھو سکے۔ کبھی کبھی تو اس پر ایسی وحشت طاری ہوتی ہے کہ جی چاہتا ہے کہ زندگی کے ہنگاموں سے کنارہ کشی کر کے کسی ویرانے میں بسیرا کر لے لیکن اب اسکے لئے ایسا کرنا ممکن نہیں ہے، اسے اس وقت بڑا تعجب ہوتا ہے جب بعض لوگ ناواقفیت کی وجہ سے اسے نامور ادیب، شعلہ بیان خطیب اور کوئی مقبول عوامی شخصیت سمجھ کر اپنے مدارس اور جلسوں میں خصوصی خطاب کے لئے دعوت دے ڈالتے ہیں۔ ایک طرف تو اسکے ساتھ جسمانی عذر ہے، دوسری طرف وہ شعلہ بیان تو کیا چنگاری بیان خطیب بھی نہیں؟

اسکی تقریر عام تبلیغی بھائیوں جیسی ہوتی ہے نہ سوز نہ ساز، نہ رنگ نہ راگ، نہ تکفیر نہ تفسیق، نہ کرّ وفر، نہ شان وشوکت۔ اسکے میزبان جب دیکھتے ہیں کہ سامعین نہ نعرہ بازی کرتے ہیں نہ کسی جوش وخروش کا مظاہرہ کرتے ہیں تو انہیں مایوسی ہوتی ہے اور وہ یہ کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ دور کے ڈھول سہانے۔ تیسری طرف اس شخص نے اپنے آپ کو بظاہر بڑا مصروف کر رکھا ہے، گھریلو ذمہ داریوں کا بوجھ بھی اسکے کندھوں پر اچھا خاصا ہے، رب تعالی کے فضل سے اس کے ایمان کی تکمیل کی صورت بھی ہو گئی اور اس کو اولاد جیسی نعمت پھر نرینہ اولاد سے بھی رب نے نواز دیا۔

اب اس کا دل یہ چاہتا ہے کہ اس کی زندگی کے جو لمحات باقی ہیں وہ خدمتِ قرآن میں لگ جائیں اس لئے وہ بھی جلسے جلوس سے دور رہنا چاہتا ہے۔ اس نے یہ بھی محسوس کیا ہے کہ بعض اربابِ مدارس، مشہور لوگوں کو اس لئے بھی اپنے پروگراموں میں بلاتے ہیں تا کہ وہ کسی ''مخیّر'' کو ان کے ادارہ کے ساتھ تعاون کی ترغیب دیں جبکہ اس شخص کے قبضے میں ایسے مخیّر حضرات نہیں ہیں گویا اس حوالے سے بھی اسے پروگراموں میں بلانے کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ بعض سادہ لوح ساتھی تو یوں بھی کرتے ہیں کہ براہِ راست اس شخص کے پاس جا کر ان صاحبِ حیثیت افراد کی نشاندہی کے لئے اصرار کرتے ہیں جو

اکیلے ہی بڑی بڑی عمارتیں تعمیر کروادیتے ہیں، وہ جب نشاندہی سے معذرت چاہتا ہے تو اسے اسکی تنگ دلی اور بخل پر محمول کیا جاتا ہے، جب کہ میں اس شخص کو اچھی طرح جانتا ہوں، میں نے اسکے ساتھ زندگی کے ۴۴ سال گزارے ہیں، وہ تنگ دل اور بخیل نہیں ہے، نہ ہی وہ خشک مزاج اور مستغرق قسم کا صوفی ہے۔

وہ بڑا گپ باز اور لطیفہ گو انسان رہا ہے، اس کے ہنسنے ہنسانے کی عادت سے اس کے سارے دوست واقف ہیں، وہ کئی عوامی جلسوں کا میزبان رہا ہے، ہوا صرف یہ ہے کہ اس پر اپنی حقیقت کھل گئی ہے، اس نے زندگی کا ایک رُخ متعین کرلیا ہے، حالات وواقعات نے اس کے قہقہوں پر قدغن لگادی ہے، شخصیات اور جماعتوں کے ٹکراؤ نے اسے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کردیا ہے، رسمی جلسوں سے وہ اکتا سا گیا ہے، اس کا ضمیر اسے خودسر، سرمایہ داروں کے دروازے پر جانے نہیں دیتا، چندہ بازی میں اسے علماء کی بے توقیری نظر آتی ہے، گروہی جماعتوں کا ساتھ دینے میں اسے خطرے میں دکھائی دیتا ہے جسم وجان، عزّت وآبرو، اور ایمان ویقین۔

اس لئے وہ دھڑے بندیوں سے الگ ہی رہتا ہے، گویا اسکی اپنی بھی کوئی جماعت نہیں۔ گویا وہ شرف ''لیڈری'' سے محروم ہے اور عجیب بات یہ ہے کہ وہ اس شرف سے محروم ہی رہنا چاہتا ہے۔ آپکو یہ سن کر تو مزید تعجب ہوگا کہ یہ شخص جو خود ''تن ہمہ داغ داغ'' کے مصداق ہے، بعض مخلص دوست محض حسنِ ظن کی بناء پر بذریعہ خطوط اسکے ساتھ اصلاحی تعلق قائم کرنے کے لئے اصرار کرتے رہتے ہیں۔ آپ بتایئے جو خود مریض ہے وہ دوسرے مریضوں کا علاج کیسے کرسکتا ہے؟ میرا مشورہ تو یہ ہے کہ اس شخص کو اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے، اسے جلسوں میں بلا کر سامعین کو بور نہ کیا جائے، اغنیاء کے حوالے سے اس سے زیادہ امیدیں وابستہ نہ کی جائیں، اصلاحی تعلق کی درخواست کر کے اسے شرمندہ نہ کیا جائے، مجھے تو یوں لگتا ہے کہ جس ذات نے اسے چالیس سال قبل بٹھادیا تھا وہی ذات اسے ہنگاموں سے الگ تھلگ گوشہ نشینی پر مجبور کررہی ہے تاکہ وہ کوئی ایسا کام کرسکے جو دنیا اور آخرت میں کام آئے اور روزِ قیامت کی شرمندگی سے بچاسکے۔

دیکھئے وہ کوئی ایسا کام کرپاتا ہے کہ نہیں؟ مجھے بھی انتظار ہے آپ بھی انتظار کیجئے۔ البتہ اس کے دل میں جو اضطراب پایا جاتا ہے اس کی میں حلفیہ طور پر گواہی دیتا ہوں کیونکہ میں اس کے عزائم سے پوری طرح باخبر ہوں......

....

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مسائل و فضائل

آپ کے مسائل اوران کا شرعی حل

حضرت مولانا مفتی عبدالباری صاحب
،صدر مدرس ورئیس دارالافتاء والحکیم ، جامعہ نصرۃ الاسلام گلگت

سوال نمبر۱: مفتی صاحب! سوال یہ ہے کہ قرعہ اندازی میں نام نہ نکلنے کی وجہ سے حج کے لیے جو رقم جمع کر کے رکھی جاتی ہے، کیا اس پر زکواۃ واجب ہوتی ہے؟ انتخاب عالم، لیکچرر فیڈرل ڈگری کالج جوٹیال گلگت

جواب: جو رقم برائے ادائیگی حج جمع شدہ ہے، اگر قرعہ اندازی میں نام نہ آجائے اور اس پر حولانِ حول (یعنی سال گزر جائے) ہو چکا ہو تو اس پر زکواۃ واجب ہوتی ہے۔

سوال نمبر۲: میرے والد گرامی تھوڑے بیمار ہیں اور ذہنی مریض بھی ہیں۔ امسال ہم بھائیوں نے والد صاحب اور والدہ کو ادائیگی حج کے لیے روانہ کیا۔ دوران حج دونوں کا جھگڑا ہوا، والد صاحب نے کہا کہ آپ مجھ سے طلاق ہے۔ بقول والدہ کے میرے والد کا نام لے کر کہا کہ اس کی بیٹی مجھ سے طلاق ہے اور ساتھ دھمکی دی کہ واپس جا کر اپنے بیٹوں کو مت بتانا ورنہ اچھا نہ ہوگا۔ پھر دونوں نے حج ادا کر کے واپس آئے تو والدہ نے ساری تفصیل سنائی۔ والد صاحب چونکہ بیمار ہیں، اس کا علاج بھی جاری ہے۔ میں نے بڑے احترام سے والد صاحب سے جاننے کی کوشش کی تو والد صاحب نے کہا کہ مجھے تو اس طرح کسی واقعہ کا علم ہی نہیں۔ اب قرآن وحدیث کی روشنی میں اس مسئلے کا شرعی حکم کیا ہے؟ عبدالغفار بن غلام خان ساکن جگلوٹ سئی، ضلع گلگت

جواب: سائل کا والد صاحب طلاق سے منکر ہے۔ صرف والدہ کے کہنے سے طلاق کا حکم صادر کرنا مشکل ہے۔ بصورت اقرار لفظ طلاق ''مجھ سے طلاق'' طلاق رجعی واقع ہوگی۔ رجوع عدت کے اندر ہوسکتا ہے جو ہو چکا ہے۔ رجوع قول اور فعل دونوں میں سے ایک کے ساتھ وجود پذیر ہوتا ہے

سوال نمبر۳: مفتی صاحب! ہمارے گاؤں میں لوگ (یعنی مالک) اخروٹ درختوں سے اتارتے ہیں، لیکن کافی سارے اخروٹ درختوں پر رہ جاتے ہیں۔ وہی بقیہ اخروٹ مختلف لوگ درختوں سے جمع کرتے ہیں۔ (اس کو ہماری زبان میں گایال کہتے ہیں) عرف میں اس طرح جمع کرنا معیوب بھی نہیں سمجھا جاتا ہے۔ کیا اس جمع شدہ اخروٹ پر عشر واجب ہوتی ہے؟۔ دوکاندار شیر الرحمان گوچوٹ گوہر آباد

جواب: گیال کے نام سے جمع کردہ اخروٹ پر عشر لازم نہیں ہوتا ہے۔ عشر صرف اصلی مالک پر لازم ہوا کرتا ہے۔ گیال وغیرہ وہ بقایاجات ہیں جو کہ بغیر اختیار مال رہ جاتی ہیں۔

سوال نمبر۴: تین آدمی ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں پیدل جارہے ہیں۔ پیدل مسافت ایک گھنٹے کی ہے۔ راستے میں سخت پیاس لگی تو ایک نے کہا کہ سفر میں افطار کی اجازت ہے تو دو نے پانی پی لیا۔ دونوں نوجوان ہیں۔ اب ان کو کیا حکم ہے؟ ماسٹر سجود عالم پھکشودی، کھن گوہر آباد۔ (جواب: بقیہ صفحہ 45 پر)

کالم کار

گلگت میں پولیس گردی کا آنکھوں دیکھا حال

محمد طاہر رانا

ای میل:mtahirrana@gmail.com

منگل کے روز حسب روایت مدینہ مارکیٹ کے قریب واقع پہلوان کیفے میں صحافی دوستوں عبدالرحمن بخاری) اب تک نیوز(، ضیا اللہ شاکر) دن نیوز (، ندیم خان) خیبر نیوز (اور طارق حسین شاہ) صدر گلگت یونین آف جرنلسٹس (کے ساتھ ابھی چائے کا ایک گھونٹ ہی لیا تھا کہ اچانک شدید فائرنگ کی آواز سنائی دی، جب ہم نکلے تو سڑک پر لوگ افراتفری میں بھاگ رہے تھے ہر کوئی حواس باختہ ہو کر جلد سے جلد کسی محفوظ مقام پر پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا، ہم بھی دیگر ساتھیوں کے ساتھ وہاں سے کنوداس کی طرف آ گئے۔ ابھی آر سی سی برج کراس کیا تھا کہ ایک بار پھر قریب سے شدید فائرنگ ہوئی، کیا دیکھتے ہیں کہ پولیس فورس مظاہرین پر فائرنگ کے ساتھ ساتھ آنسو گیس کے شیل بھی فائر کر رہے تھے، اس فائرنگ کے نتیجے میں 4 مظاہرین حاصل مراد، شریف احمد، قاسم اور اکرام الدین زخمی ہو گئے۔ گلگت ایک دفعہ پھر جل رہا تھا، انتظامیہ کے ذمہ داران ڈی سی، اے سی اور مجسٹریٹ جائے وقوعہ پر پہنچ گئے تھے، مظاہرین ایک دفعہ پھر اکھٹے ہو گئے اور احتجاج کا سلسلہ کنوداس آر سی سی برج سے بڑھتے بڑھتے پورے گلگت شہر کے چپے چپے تک پھیل گیا۔ پر امن احتجاج پر پولیس کی طرف سے فائرنگ اور اسکے بعد پیدا ہونے والی صورت حال کے بارے میں جب ہم نے تحقیقات شروع کیں تو ہمیں اس واقعہ میں پولیس گردی اور ریاستی دہشت گردی کا عملی مظاہرہ نظر آیا، منگل کے روز صبح 7 بجے سے قراقرم انٹرنیشنل یونیورسٹی کے طلبہ اپنے مطالبات کے حل کیلئے پر امن احتجاج کر رہے۔ تھے ایسے میں ایس پی علی ضیا 20 کے قریب الیٹ اور پولیس کے جوانوں کے ساتھ وہاں آیا اور پولیس کو فائرنگ کے آرڈرز جاری کر دیئے جس کے بعد پر امن احتجاج کی جگہ میدان جنگ کا منظر پیش کرنے لگی، ایس پی علی ضیا نے مجسٹریٹ کی منظوری کے بغیر قوانین کی سنگین خلاف ورزی کرتے ہوئے نہتے اور پر امن مظاہرین پر فائرنگ کے احکامات جاری کر دیئے۔ یہ آرڈرز ملتے ہی پولیس جوانوں نے جدید آتشی اسلحے کے منہ نہتے اور پر امن مظاہرین پر کھول دیئے اور دیکھتے ہی دیکھتے 4 مظاہرین شدید زخمی ہو گئے جنہیں سٹی ہسپتال منتقل کر دیئے گئے۔ بعد ازاں مجسٹریٹ حبیب الرحمٰن موقع پر پہنچے اور انہوں نے مجسٹریٹ کی اجازت کے بغیر مظاہرین پر فائرنگ پر سخت برہمی کا اظہار کیا اور اس دوران فائرنگ کرنے والی پولیس اور انکے درمیان ہاتھا پائی ہوئی، مجسٹریٹ کا کہنا تھا کہ ہم نے فائرنگ کے آرڈر نہیں دیئے تھے پھر پولیس نے فائرنگ کیوں کی، جس پر پولیس کے نوجوان سیخ پا ہو گئے اور مجسٹریٹ کے گریبان پر ہاتھ ڈالا، یہ مناظر راقم نے اپنی آنکھوں سے دیکھے اور مجسٹریٹ کی بے بسی اور پولیس اہلکاروں کی سر عام قانون کی

پامالی پر حیرت بھی ہوئی۔ پولیس گردی کے خلاف مظاہرین نے ایس پی گلگت کے دفتر کا گھیراو کیا اور مشتعل افراد نے ایس پی آفس کے سائن بورڈ توڑ ڈالے۔ مظاہرین ایس پی گلگت کے خلاف فلک شگاف نعرے لگا رہے تھے اور انکے خلاف انسداد دہشت گردی ایکٹ کے تحت قانونی کاروائی کا مطالبہ کر رہے تھے، گلگت شہر میں جب پولیس نے پرامن احتجاج پر فائرنگ کی ، اسکے بعد گلگت شہر کے، ٹونس برتج، پبلک چوک، سکارکوئی، بسین، سکوار، جگلوٹ، کنوداس، گلا پور اور دیگر جگہوں میں بھی احتجاج شروع کر دیا گیا اور سڑکیں جام کردی گئیں تھیں۔ کسی بھی معاشرے میں شہریوں کی جان و مال کی حفاظت کرنا ریاست کی ذمہ داری ہوتی ہے لیکن آر سی سی پل کے قریب ریاستی دہشت گردی کی بدترین مثال دیکھنے کو ملی، یہ مقبوضہ کشمیر نہیں بلکہ گلگت کے نوجوان طلبہ کا احتجاج تھا، کشمیر میں بھی مظاہرین پر اسی طرح فائرنگ کی جاتی ہے اور آج گلگت میں بھی یہ منظر دیکھنے کو ملا، ڈی سی گلگت شہباز طاہر ندیم نے واقع پر اپنا ردعمل دیتے ہوئے کہا کہ ایڈمنسٹریشن کی طرف سے فائرنگ کی اجازت نہیں دی گئی تھی واقعہ پر تحقیقاتی کمیٹی بٹھائی گئی ہے تاکہ ملوث افراد کو سزا دی جاسکے۔ انہوں نے سٹی ہسپتال کا دورہ کیا اور زخمیوں کے علاج کے علاوہ معاوضے کا بھی اعلان کیا۔ گزشتہ سال 12 دسمبر کو بھی قراقرم انٹرنیشنل یونیورسٹی سے شروع ہونے والی کشیدگی کے بعد شہر میں آگ اور خون کی ہولی کھیلی گئی اور کئی افراد جاں بحق اور کئی زخمی ہوگئے تھے، اور اس سال 17 دسمبر کو ایس پی علی ضیا کے ایک غلط فیصلے نے پرامن احتجاج کو پرتشدد احتجاج میں تبدیل کر دیا، اگر قراقرم انٹرنیشنل یونیورسٹی کی انتظامیہ اور گلگت انتظامیہ بالغ نظری سے ان معاملات کا حل نکالتے تو یہ نوبت ہی نہ آتی، لیکن شاید گلگت کا امن کسی کو بھی ہضم نہیں ہوتا۔ یہاں ہر ادارے میں فرقہ وارانہ تقسیم نظر آتی ہے، احتجاج پر پولیس کی فائرنگ کے خلاف تنظیم اہلسنت والجماعت نے گلگت بلتستان بھر میں احتجاج کی کال دے دی ہے۔ اور مطالبہ کیا ہے کہ فائرنگ میں ملوث اہلکاروں اور ایس پی گلگت علی ضیا کے خلاف جب تک قانونی کاروائی نہیں ہوتی احتجاج کا سلسلہ جاری رکھا جائیگا۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ گلگت کے کشیدہ حالات اس دفعہ ایس پی گلگت کی ناقص پالیسی کی وجہ سے شروع ہوگئے، احتجاج کو مذاکرات کے ذریعے ختم کرایا جاسکتا تھا مگر طاقت کا استعمال کیا گیا جس کی وجہ سے لوگ مشتعل ہوگئے، 42 سال قبل اسی طاقت کے استعمال کی وجہ سے مشرقی پاکستان ہم سے الگ ہوا تھا، اور اسی طاقت کے استعمال کی وجہ سے پورے پاکستان میں بدامنی کی فضا قائم ہے، سماجی تنظیموں، انسانی حقوق کی تنظیموں اور کئی سیاسی تنظیموں نے بھی منگل کے روز مظاہرین پر فائرنگ کی مذمت کی ہے، اس واقعہ کی صاف شفاف تحقیقات کر کے واقعہ میں ملوث افراد کو قرار واقعی سزا دینی چاہیے، اب وقت آچکا ہے کہ ہم تمام تر تعصبات سے بالاتر ہو کر قراقرم انٹرنیشنل یونیورسٹی کے مسئلے کو حل کریں، جہاں سے ان واقعات کی شروعات ہوتی رہی ہے، یونیورسٹی کو مادر علمی بنا کر وہاں صرف تعلیمی سرگرمیوں کو فروغ ملنا چاہئے، نہ کہ فرقہ وارانہ فسادات کو۔ ماضی کی غلطیوں سے ہم آج بھی سبق حاصل نہیں کر رہے۔ ہمارے درمیان موجود کالی بھیڑیں ہمارے جڑوں کو کھوکھلا کرنے پر تلی ہوئیں ہیں، ایس پی گلگت علی ضیا کی احمقانہ حرکت کی وجہ سے گلگت میں ایک بار پھر غیر یقینی اور کشیدہ صورت حال پیدا ہوگئی ہے، قانون کی بالادستی کو یقینی بنانا ہوگا تاکہ گلگت کا امن دوبارہ بحال ہوسکے ۔ ہر سال کی طرح اس سال بھی دسمبر کے مہینے میں گلگت کے امن کو خراب کرنے کی سازش کی گئی اور گلگت شہر گولیوں کی تڑ تڑاہٹ سے لرز اٹھا، اب تو دسمبر کے مہینے سے ہی ڈر لگنے لگا ہے۔ دسمبر میں یہاں ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت حالات خراب کیے جاتے ہیں۔ اللہ تعالی آئندہ ہر دسمبر میں عوام کے خلاف کی جانے والی سازشوں سے گلگت بلتستان کی عوام کو محفوظ و مامون رکھیں۔

کالم کار — ریڈ کراس

''اٹھو کہ بند کریں نفرتوں کے در سارے''

تحریر: امیر جان حقانی: میل: ibshaqqani@gmail.com

20,19 اپریل کو قراقرم انٹرنیشنل یونیورسٹی میں AKRSP اور PEN (Publishing Extention Network) کے اشتراک اور یونیورسٹی کے تعاون سے ''دوروزہ'' ایک پروگرام منعقد ہوا۔ منتظمین کی طرف سے ''اٹھو کہ بند کریں نفرتوں کے در سارے'' کے عنوان پر گلگت بلتستان کے تمام شعراء اور خطباء کو دعوت دی گئی تھی کہ وہ اپنا کلام اور تقاریر (Speachs) پیش کریں۔ تقریری مقابلے میں شرط یہ رکھی گئی تھی کہ گلگت بلتستان کے ہر ضلع سے ایک مقرر شرکت کرے گا مگر عملاً ضلع گلگت اور غذر سے زیادہ مقررین کو موقع دیا گیا۔ ضلع دیامر سے مجھے نمائندگی کا موقع ملا۔ میں نے تقریر کی، الحمدللہ! مقابلے میں شرف حاصل ہوا۔ ڈاکٹر پروفیسر سہیل امام صاحب سے اعزازی شیلڈ اور کیش پرائز وصول کیا۔ میری تقریر کا لب ولباب کچھ یوں تھا۔ حمد وثناء کے بعد:

ومن يقتل مومنا متعمداً فجزاؤه جهنم خالدا ، فيها، وغضب الله عليه ولعنه واعدله عذابا عظيما۔ ، قال النبی صل الله علیه وسلم: لاتحسسوا، ولاتجسسوا ولاتناجشو ولاتحاسدوا ولا تباغضوا ولاتدابروا ولاتنابزو ، وكونوا عبادالله اخوانا۔

سامعین حضرات! بابا چلاسی کی زبان میں آپ سے مخاطب ہوں۔ انہوں نے 'وعتصموا بحبل الله جميعا ولاتفرقوا'' کو خوبصورت شعری قالب میں ڈھالا ہے۔ سنیں

کہا رب نے کرو مت تم جدائی — اگر کی تم نے آپس میں جدائی
تمہاری پھر تو طاقت ختم ہوگی — تو کیا بے طاقتی میں ہے بھلائی
تو پھر باطل کو تم دے دو سلامی — کرو کفار کی دل سے غلامی
سلف کے نقش عزت کو مٹاؤ — کرو برباد ان کی نیک نامی

آج انتہائی اہم موضوع پر گفتگو کرنی ہے، آپ دعا کیجیے کہ قرآن وسنت کی روشنی میں اس موضوع پر چند گزارشات پیش کر سکوں۔ چونکہ ہم امن کے حوالے سے بات کررہے ہیں تو ہم اللہ تعالیٰ کے فرمان کو سامنے رکھیں گے، خطبہ میں قرآن و حدیث کو تلاوت کیا گیا۔ اللہ کا ارشاد ہے کہ ''جو کوئی جان بوجھ کر اپنے کسی مومن بھائی کو قتل کرے گا، تو اس کی سزا دائمی جہنم ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اس پر پھٹکار ہوگی اور اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے۔ نبی کریم کا بھی فرمان ہے کہ'' اے مومنو! ایک دوسروں کی ٹوہ میں نہ لگے رہو، باہم حسد، کینہ، اور عناد نہ رکھو۔ بدگوئی نہ کرو اور ایسا کرو کہ آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ''۔ بہرصورت اسلام ایک مکمل دین حیات ہے۔ اس کی واضح تعلیمات کی ایک جھلک آپ نے سماعت فرمائی۔

اسلام نے ہر برائی سے بچنے اور ہر اچھائی کو اپنانے کو حکم دیا ہے۔

آج مغرب' اس کے تھنک ٹینکس' ان کا میڈیا اور اسکالرز، اسلام اور اسلام پسند طبقات کو نفرتوں کا ذمہ دار ٹھہراتے ہیں۔ اور ہم بھی شعوری اور لاشعوری طور پر ان کی لے میں لے ملا رہے ہیں۔ جو بالکل غلط ہے۔ اسلام نے تو امن کو سب سے مقدم رکھا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ اسلام کی دعا تو دیکھیں جو قرآن میں موجود ہے۔ ''رب اجعل ہذا البلد آمنا وارزق اہلہ من الثمرات'' حضرت ابراہیم علیہ السلام نے امن کی بات پہلے کہ اور معیشت کی بات بعد میں کی۔ کیونکہ کہ جب تک امن نہیں ہوگا زندگی کا کوئی شعبہ پھل پھول نہیں سکتا۔ امن کے بغیر نفرتوں کے سارے در بند کر کے محبتوں کے در کھلے رکھنا محال ہے۔ امن کے بغیر زندگی کا کوئی پہیہ چل نہیں سکتا۔ کاروبار زندگی چلانے کے لیے امن سب سے اولین حیثیت رکھتا ہے۔

یہ بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ فرقہ واریت پھیلانے میں اندرونی عوامل کے ساتھ اصل ذرائع وعوامل بیرونی ہیں۔ ان میں ایک اسلام اور مسلم دشمن بین الاقوامی طاقتیں اور دوسرے ان کے گماشتہ مقامی حکمران اور ان کی ایجنسیاں۔ بین الاقوامی طاقوں کے بارے میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ '' الکفر ملۃ واحدۃ'' ہمیں کبھی بھی یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ مسلمانوں کے اندر بالخصوص پاکستان اور گلگت بلتستان کے اندر بدآمنی میں ان بیرونی عوامل کا کوئی کردار نہیں ہے۔ مختلف واقعات وشواہد اور ذمہ دار لوگوں کے بیانات سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے۔ ان عوامل نے امت مسلمہ کا شیرازہ بکھیر کر رکھ دیا ہے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہم نفرتوں کے در بند کیسے کریں اور محبتوں کے دریچے وا کیسے رکھیں۔ مجھے بڑے دکھ کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ جدید تعلیم یافتہ حضرات اور ارباب بست وکشاد' ملک عزیز کے غریب اور اسلام پسند عوام اور بالخصوص گلگت بلتستان کے محبّ وطن عوام کو انتہا پسند، ترقی کی راہ میں رکاوٹ، دہشت گرد، گنوار، جاہل، بدتہذیب، نفرتیں پھیلانے والے اور محبتوں کی راہ میں رکاوٹ سمجھتے ہیں، حالانکہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ ان تمام باتوں کے اصل مفہوم کو سامنے رکھتے ہوئے اس کے اسباب وعلل اور محرکات کا عمیق جائزہ لیا جائے تو یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ یہ تمام چیزیں ایک ''سیاسی کینسر'' کی حیثیت اختیار کرگئی ہے جو بنیادی انسانی حقوق سے محرومی، ظلم وستم کی انتہا (یعنی بربریت' چنگیزت' اوبامیت اور پرویزیت وزرداریت)، میرٹ کی پامالی اور بے انتہا کرپشن، اقرباء پروری، رشوت خوری، علاقائیت، لسانیت، بیروزگاری، آئین شکنی، جمہوری اقدار کی پامالی، اسلامی تعلیمات سے دوری اور ان جیسے خوفناک مسائل کی وجہ سے مغلوب' محکوم، مظلوم اور مفلوک الحال لوگوں کے اندر راز خود پروش پاتا ہے اور بڑھتا جاتا ہے' ان مظلوم لوگوں کا تعلق کسی بھی مذہب' علاقہ یا رنگ ونسل سے ہوتا ہے' پوری دنیا ایسی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔ اس ''سیاسی کینسر'' کا علاج مریض کو دھمکانا، ڈرانا، لعن وطعن اور سب وشتم کرنا اور ان کے گھروں کو اڑانے سے نہیں کیا جاسکتا بلکہ ان کی مسلسل محرومیوں اور معاشرتی ناانصافیوں کے ازالے سے ہی کیا جاسکتا ہے۔

یادرہے کہ اگر ان حقیقی مسائل کو نظر انداز کرکے غریب عوام کو دھونس دھمکی' جبر واکراہ سے زیر کرنے کی کوشش کی گئی تو یہ ''سیاسی کینسر'' دبنے اور ختم ہونے کے بجائے مزید قوت حاصل کرے گا اور توانا ہوگا اور اس کا ردعمل شدید سے شدید تر ہوجائے گا۔ ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ محبّ وطن عوام اور اسلام پسند طبقات کے ساتھ دوغلا رویہ اپنایا جارہا ہے' جس سے شعوری اور لاشعوری طور پر ایسے حالات پیدا ہوجاتے ہیں۔ ہمارے قول اور فعل میں کھلا تضاد پایا جاتا ہے حالانکہ قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ '' یایھا الذین امنوا لم تقولون مالاتفعلون' '' اے ایمان والو! وہ کیوں کہتے ہو جو تم کرتے نہیں۔ کیا آج ہمارے ارباب اقتدار اس کی کھلی

مثال نہیں ہیں؟۔ آج علماء کرام، جدید تعلیم یافتہ طبقات اور دانشورانِ قوم کی اہم ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ بتائیں کہ اسلام اور مسلمانوں کے درمیان پھیلائی جانی والی نفرتیں دراصل بدترین منافقت پر مبنی ہے، آج ہمیں غلط کو غلط اور صحیح کو صحیح بتانا ہوگا۔ جب تک ہمارے اندر سچ اور حق بولنے کی صلاحیت پیدا نہ ہو تب تک ہمارے معاشرے میں سکون اور امن نہیں آسکتا۔ ہمارا پورا معاشرتی ڈھانچہ بیٹھ جائے گا۔ آج اصحاب علم ہی کو آگاہی اور روشنی کا باب کھولنا ہوگا۔ انہیں بتانا ہوگا۔ یہی قرآن کا حکم بھی ہے۔ سورۃ المائدہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ" لولا ینھھم الربانیون والاحبار عن قولھم الاثم واکلھم السحت"۔

آو! ہم سب مل کر نفرتوں کے دروازے بند کریں اور محبت عام کریں مگر کیسے تعلیم عام کرنے سے، ظلم کے خلاف بغاوت کرنے سے، گڈ گورننس سے، میرٹ کی بحالی سے، اقربا پروری، رشوت ستانی سے دور بھاگ کر اور دین اسلام کی روشنی سے محبت ومودت کے باغ اُگائیں اور نفرت کی تمام فیکٹریاں دریابرد کریں۔ بہرصورت ان اشعار کیساتھ آپ سے اجازت چاہونگا.

ء تمہارے سود کی خاطر حقانؔی، آج ہے گویا
خدارا ! تم کہو یہ ،اور تم سے چاہتا ہے کیا
حقانؔی کو نہ دے دو کچھ بھی لیکن
الگ اس کو محبت سے نہ کرلو

....

بقیہ تبصرہ کتب

مولانا کا" رفیق عزیز" ہمہ وقت خدمت میں مصروف ہوتے ہیں۔" رفیق عزیز" روز عید بھی خوشی خوشی تصنیف و تالیف اور کمپوزنگ کا کام کرتا نظر آتا ہے، اس سے نہ ان کے چہرے پر بل آتے ہیں نہ ان کا چہرہ شکن آلود ہوتا ہے اور نہ ہی کسی کام کا بہانہ بنا کر، نہ کسی عزیز کی ملاقات کا چکمہ دے کر کام سے جی چراتے ہیں۔" رفیق عزیز" ان خدمات کی عوض کوئی بڑی خواہشات بھی نہیں پالتا ہے۔ بس اتنی سی خواہش ہوتی ہے کہ" علوم دینیہ کے مطالعہ کا موقع، ادارے کی ہمہ وقت خدمت، ایک چھوٹا سا ملکیتی بیتِ عنکبوت، قرب اساتذہ اور رضائے رحمن" بس یہی تو حاصل زندگی یعنی دارین میں کامیابی۔ ہاں" رفیق عزیز" کو ان کی خدمات کا صلہ بھی ملتا ہے اور ایسا صلہ جو ان کی وہم وگمان میں بھی نہ ہوگا۔ حالانکہ اسلامی نقطہ نظر سے دنیا میں نیک کاموں کا صلہ ملنا ضروری نہیں مگر آج کا جدید دور متقاضی ہے کہ صلہ ملنا چاہیے، کیونکہ احسان کا بدلہ احسان ہی سے اتارا جاتا ہے۔ روز جزا تو رب رحمن از خود صلہ دیں گے۔ جب انہیں تمام سہولیات مہیا کی جاتیں ہیں تو" رفیق عزیز" کام، کام اور کام کی پالیسی اپنا لیتے ہیں۔ ان کی انہی خدمات کے صلے میں" رفیق عزیز" اپنی مخلصی، جفاکشی کی وجہ سے ایک فکر انگیز، سبق آموز اور علمی وادبی اچھوتی کتاب کا سبب تصنیف وتدوین کا سبب بنے ہیں۔ اور جب تک ادبی دنیا میں یہ کتاب پڑھی جائے گی" رفیق عزیز" کو لوگ پہچانتے رہیں گے۔ پیش لفظ مولانا طاہر محمود اطہر، مقدمہ مولانا عبدالمعبود اور حرف مزین کے عنوان سے وقیع تحریرات بھی شامل کتاب ہیں۔ کتاب سولہ ابواب پر مشتمل ہے۔ دینی وعصری اداروں، سیاسی پارٹیوں اور تحریکی وتنظیمی کام کرنے والے لیڈروں اور کارکنوں کو ایک دفعہ اس کتاب کا ضرور مطالعہ کرنا چاہیے۔ تاکہ انہیں معلوم ہو کہ کون کہاں اپنا کردار ادا کررہا۔ ہے اور کون صرف نام ونمود کی حد تک ٹامک ٹوئیاں مار رہا ہے۔

وفیات

ریڈاکراس

معروف ولی اللہ جناب حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر رحمہ اللہ

تحریر: امیر جان حقانی

ای میل: ibshaqqani@gmail.com

میں ابھی سن بلوغت کو بھی نہیں پہنچا تھا کہ حفظ قرآن کے لیے کراچی سدھار گیا۔ میرے انکل مولانا موسیٰ ولی خان صاحب کراچی میں درس وتدریس میں مشغول تھے۔ میں اپنے والدین کا اکلوتا بچہ تھا مگر قرآن پاک کو حفظ کرنے کے لیے ہزاروں میل دور کراچی بھیج دیا گیا۔ جامعہ اشرف العلوم کورنگی کراچی، مولانا سحبان محمود صاحبؒ (شیخ الحدیث دارالعلوم کراچی) کا لگایا ہوا حسین پودا ہے۔ میں حفظ قرآن کی دولت سے مالا مال ہو رہا تھا۔

یہ غالباً 2000ء کی بات ہے۔ حضرت سحبان محمود صاحبؒ سے دوران حفظ کئی دفعہ انعام میں کتابیں لینے کا اعزاز حاصل رہا۔ امتحانات میں پوزیشن ہولڈر طلبہ کو کتابیں انعام میں دی جاتیں تھیں۔ چونکہ ہم چھوٹے تھے اس لیے ہمیں اکابرین علماء کرام کے رسائل دیے جاتے۔ ان رسائل میں زیادہ تر دارالعلوم کراچی والے رسائل ہوتے مگر تین شخصیات کے رسائل ہر انعام میں ہوتے۔ ا۔ مفتی رشید احمد لدھیانویؒ، مولانا عاشق الہی بلند شہری ثم مکیؒ اور شاہ حکیم اختر نور اللہ مرقدہ کے رسائل ہوتے۔ چونکہ میں مبتدی طالب علم تھا۔ علم وادب سے نابلد تھا۔ اکثر رسائل درمیان سے کچھ کچھ پڑھنے کے بعد اچھے وقتوں کے لیے سنبھال رکھتا۔

مگر حضرت مولانا حکیم اختر صاحب قدس سرہ کے رسائل اور کتب کے ساتھ معاملہ برعکس ہوتا۔ کیوں؟ صرف اس لیے کہ حضرت کے رسائل انتہائی خوبصورتی کے ساتھ معیاری کاغذ میں مزین طریقے سے چھاپے جاتے اور سہل اور آسان موضوعات پر مبنی یہ رسائل اور کتب جابجا اشعار اور قصوں اور کہانیوں سے مملوء ہوتے تھے۔ حضرت اپنے مواعظ میں دقیق علمی مسائل نہیں چھیڑتے۔ وہ تو انتہائی دلچسپ اور دلربا انداز میں وعظ کرتے اور یہی وعظ کتب و رسائل کی شکل میں چھپتے۔

اس کی وجہ بھی یہ تھی کہ حضرت کے مخاطب دینی مدارس کے طلبہ و علماء سے زیادہ عوام تھے۔ عام طور پر ہمارے مدارس میں علمی زبان استعمال کی جاتی ہے جو عوام الناس کی فہم وادارک سے دور ہوتی ہے جس کی وجہ سے مناسب فائدہ نہیں ہوتا۔ مگر حضرت حکیم صاحب کا لب ولہجہ، انداز بیاں، اور طرز تخاطب عوامی ہوتا۔ وہ بڑے بڑے علمی دقیق مسائل اور صوفیاء کا کلام بالخصوص پیر رومی کا فارسی کلام انتہائی جاذب اور دل نشیں انداز میں سمجھاتے تھے۔ پیر رومی کا کلام اور اس کی تشریحات تفصیل سے پڑھنے کا اتفاق نہیں ہوا ہے البتہ جو پڑھا ہے وہ حضرت شاہ صاحبؒ کی بیان کردہ توضیحات وتشریحات ہی پڑھا ہے۔

حق یہ ہے کہ شاہ صاحبؒ نے حق ادا کیا ہے۔ آپ یوں سمجھ لیں کہ میں حضرت شاہ صاحب کا سن بلوغت سے پہلے کا قاری ہوں اور اس زمانے سے حضرت کا قدردان بھی۔ حضرت کے کئی اشعار تو دوران حفظ ازبر ہوئے تھے۔ ابتدائی اسلامی ادبی ذوق بھی حضرت والاؒ کے لٹریچر اور کتابوں سے پیدا ہوا۔ یقیناً حضرت کی کتب ادب اسلامی سے مملوء ہیں۔

دارالعلوم کراچی میں ہمارے ایک برادر محترم مولانا عبدالقدوس صاحب پڑھتے تھے۔ان کا ایک مشغلہ یہ تھا کہ بزرگ علماء سے ملاقات اور زیارت کرتے تھے۔ وہ غالباً درجہ ثالثہ کے طالب علم تھے۔اکثر گلشن اقبال میں حضرت کی مسجد میں نماز جمعہ پڑھتے تھے۔جمعرات کو میں دارالعلوم میں ان کے پاس آیا کرتا تھا۔وہ میرے نگران بھی تھے اور رشتہ دار بھی۔

وہ حضرت شاہ صاحب نور اللہ مرقدہ کے دلدادہ تھے۔شاہ صاحبؒ کی اکثر کتب ان کے پاس موجود تھیں۔وہ شاہ صاحبؒ کی کتب اپنے دوستوں اور اساتذہ میں بانٹتے۔ مجھے بھی کئی کتب دی تھیں۔ویسے بھی ان کے پاس حضرت کی جو کتابیں تھی وہ میرے دسترس میں تھی اور مطالعہ میں رہتے تھی۔ایک دفعہ میری چاہت پر مجھے بھی اپنے ساتھ حضرت کی بارگاہ میں لے گئے۔ہم بہت پہلے ہی مسجد میں پہنچ گئے اور اگلی صفوں پر بیٹھ گئے۔مسجد تنگ تھی۔لوگوں کا ایک جم غفیر ہوتا تھا۔

کافی انتظار کے بعد حضرت شاہ صاحبؒ جلوہ افروز ہوئے۔سفید ریش بزرگ سفید پوشاک میں جب منبر پر بیٹھ گئے تو اللہ اللہ! دیدنی کا کیا منظر تھا۔اللہ تعالیٰ نے حضرت شاہ حکیم اختر رحمۃ اللہ علیہ کو جن جن وہبی و کسبی صفات عالیہ سے نوازا تھا ان پر تو اہل علم وقلم اور اصحاب سلوک وطریقت ہی روشنی ڈالیں گے مگر اس پہلی زیارت میں مجھ پر جو واہ ہوا،اور میرے دل و دماغ میں حضرت کی جو شخصیت سامنے آئی وہ کچھ یوں تھی کہ اللہ نے انہیں اخلاص وللّٰہیت، تقویٰ وطہارت،الفت و محبت،احترام واکرام اور علم وعمل سے وافر مقدار میں نوازا تھا۔

عشق رسول ﷺ میں فدائیت ، عشق الٰہی میں فنائیت، عشق صحابہؓ میں غرق اور عشق اولیاء وصوفیاء میں قربان نظر آئے۔علم تصوف میرا موضوع نہیں اور نہ ہی تصوف وطریقت کے رموز سے واقفیت ہے اور نہ ہی موجودہ دور کے اکابر صوفیاء وشیوخ شناسائی ہے۔لیکن اگر قسم کھا کر کہوں کہ حضرت شاہ حکیم اختر صاحب اکیسوی صدی کے علم تصوف وطریقت اور اصحاب تصوف وسلوک کے بے تاج بادشاہ تھے تو حانث نہیں ہونگا۔ بلکہ وہ تو باتاج بادشاہ تھے۔

نماز جمعہ کے بعد حضرت والا سے مصافحہ کے لیے لائن لگ گئی۔ بخدا لوگوں کی ایک کثیر تعداد مصافحہ کے لیے تپتی دھوپ میں کھڑی تھی۔ہم بھی لائن میں لگ گئے۔حضرت سے مصافحہ کیا۔پھر ہوتے ہوتے حضرت کی نشست گاہ تک پہنچے۔مریدین وسالکین کا ایک مجمع تھا۔دبک کے کسی کونے میں بیٹھ گئے۔واللہ! حضرت باتیں نہیں کررہے تھے دَہن مبارک سے پھول جھڑتے تھے۔کتنی رسیلی گفتگو تھی جس کا بیان الفاظ میں ناممکن ہے۔

حدیث قدسی کا مفہوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پیارے حبیب ﷺ سے فرمایا کہ ''میں نے اپنی رضا کو نفس کی مخالفت و مخاصمت میں رکھ دیا ہے اور لوگ اُسے موافقتِ ومطابقتِ نفس میں تلاش کرتے ہیں بھلا وہ کیسے میری رضا پائیں گے۔شاہ حکیم اختر صاحب نے بھی اپنے نفس کی مخالفت کر کے اللہ کی رضا پالی تھی۔مخالفتِ نفس ان کا سب سے پسندیدہ موضوع تھا۔مخالفتِ نفس میں تادم آخیر قائم ودائم رہے۔

یہی حدیث میں آتا ہے۔اللہ فرماتے ہیں کہ''میں نے عزت واکرام اور شرف ومنزلت کو اپنی اطاعت وفرمانبرداری میں رکھ دیا ہے لوگ اُسے بادشاہوں کے محلوں اور دروازوں میں ڈھونڈتے ہیں۔بھلا انہیں عزت کیسے ملے گی۔'' حضرت شاہ صاحب بارک اللہ وجہہ نے اطاعت خداوندی میں اپنے زندگی بتائی تھی۔

بڑے بڑے بادشاہ اور بادشاہ گران کے آستانہ میں حاضری دیتے تھے۔اطاعت خداوندی کی وجہ سے اللہ نے انہیں وہ عزت ومرتبہ اور شرف سے نوازا تھا کہ ماوشما سوچ سکتے ہیں۔جس قدر انسان کے اندر اللہ کی معرفت ومحبت صحیح ہوگی اس قدر

اس کا عمل درست اور عند اللہ مقبول و ماجور ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کی معرفت، محبت و مودت، اطاعت و فرمانبرداری اور اس کی کیفیات دلوں میں کیسے جاگزیں ہوتیں ہیں اس کو جاننے کے لیے حضرت شاہ صاحب کی کتب کا مطالعہ اور اس کی جیتی جاگتی حیات کا سمجھنا ضروری ہے۔ اور اس پر چلنا اور پھر وہی مطلوب نتائج کا حصول کیسے ممکن ہوتا ہے اور سنت کے راستے کیسے اللہ تک ملاتے ہیں کا پتہ چلانے کے لیے بھی ان کی سوانح عمری کو پڑھنا ہوگا۔ میں نے حضرت والا کو بار ہا سنا۔ ہر بار دل میں ان کے لئے ایک بلند مقام پیدا ہوتا۔ وہ خدا کی معرفت اور محبت کو سمجھانے کے خدا کی کتاب مقدس اور رسول اللہ کی تعلیمات کا مکمل سہارا لیتے تھے۔ خداوند کریم کا ارشاد گرامی ہے کہ ''یھدی الیہ من اناب'' یعنی اللہ راہ مستقیم انہیں کو دکھاتا ہے جو اس کی طرف متوجہ ہو۔ حضرت والا نے عمر بھر یہی کام کیا کہ بندگانِ خدا کو خدا کی طرف متوجہ کیا۔

حضرت حکیم صاحب نور اللہ کا فیض چار دانگ عالم پھیلتا رہا۔ کراچی میں تو آپ کے فیوض و انوار کی برسات تادم حیات جاری و ساری رہا۔ علماء و صلحاء اور تشنگانِ تصوف و طریقت کی آمد و رفت ہمیشہ رہتی۔ گلشن اقبال کی یہ عظیم خانقاہ حضرت رحمہ اللہ کے وجود سعید سے ایک طویل عرصہ جگمگاتی رہی۔ گلشن اقبال مرجع خلائق بنا ہوا تھا۔ اندرون ملک اور بیرون ملک سے لوگ قطار در قطار آرہے تھے۔ آج خانقاہِ گلشن کے در و دیوار پسماندگان شیخ میں شامل ہیں۔

کلیوں کو میں خونِ جگر دے کے چلا ہوں صدیوں مجھے گلشن کی فضا یاد کرے گی

ہم بھی اپنی بساط کے مطابق حضرت سے مستفید ہوتے رہے مگر سچی بات یہ ہے کہ جس انداز میں حضرت سے کسب کرنا تھا، ان کی خدمت کرنی تھی وہ نہ کر سکے۔ تاہم بار ہا حضرت کی محفلوں میں شرکت کا موقع ملا۔ حضرت کے مواعظ سننے کی سعادت حاصل ہوئی۔ کچھ مواقع ایسے بھی آئے کہ حضرت کو بہت قریب سے دیکھا۔

غالباً مارچ 2008ء کی بات ہے۔ مولانا عطاء اللہ شہاب کراچی میں آئے تھے۔ ان کے ساتھ جامعہ اشرف المدارس سندھ بلوچ سوسائٹی میں جانا ہوا۔ حضرت مولانا حکیم مظہر صاحب اور ان کے صاحبزادے کے ساتھ ایک تفصیلی ملاقات ہوئی۔ کئی امور زیر بحث آئے۔ وہاں سے حضرت حکیم مظہر صاحب کی معیت میں حضرت شاہ حکیم اختر صاحب کے حجرے پہنچ گئے۔ حضرت کو دیکھ کر دل مسرور ہوا۔ حضرت نے نفیس طبع پائی تھی۔

حضرت والا طویل عرصے سے بستر علالت میں تھے۔ بستر علالت اور حجرہ مبروک سے بھی نفاست ٹپک رہی تھی۔ حجرہ خاص سے باہر مریدین باصفا کا ایک مجمع تھا۔ جب ہم حاضر ہوئے تو حضرت کے صاحبزادے مولانا حکیم مظہر صاحب نے تعارف کروایا۔ وہ دونوں چپ چاپ کھڑے رہے اور احقر نے حضرت کے ہاتھ دبانے شروع کیا۔ سلسلہ دراز ہوا۔ پیشانی پر آہستہ آہستہ ہاتھ پھیرا۔ پھر پاؤں بھی دیر تک دباتا رہا۔ کتنے نرم گرم اور ملائم پاؤں تھے۔ حضرت ٹکٹکی باندھ کر دیکھ رہے تھے۔ میری زندگی کے حسین لمحات میں ان چند لمحات کا بھی شمار ہوتا ہے کہ جب میرے کہنے پر حضرت شاہ صاحبؒ نے میرے لیے ہاتھ اُٹھا کر دعاء کی تھی۔

قارئین میں بتا نہیں سکتا کہ اس وقت میرے دل کی کیفیات کیا تھیں۔ ایسا ہی ایک مقبول دعا مجاہد اسلام حضرت مولانا ڈاکٹر شیر علی شاہ صاحب نے بھی میرے لیے خصوصی کی تھی جب برادرم مولانا محمود الحسن ابن شیخ الحدیث مولانا مغفور اللہ بابا جی (حقانیہ اکوڑہ خٹک) کی معیت میں ان کے دولت کدے میں حاضر ہوئے تھے۔ اللہ اللہ! کہاں یہ بزرگان باصفا کے ہاتھ بندہ پر تقصیر کے لئے اُٹھنا کہاں خواہشات نفسی کا یہ پتلا۔ بندہ عاصی کے لیے محبوب خدا کے ہاتھ اُٹھنا کوئی معمولی بات

ہے کیا۔ میرا دل سرشار تھا۔ اس کی ایک ہی وجہ تھی کہ حضرت شیخ محبوبِ خدا تھے۔ وہ کیونکہ کر محبوب خدا تھے تو سیدھی سی بات ہے وہ عاشقِ محبوبِ خدا تھے۔ کیونکہ اس (رسول اکرم ﷺ) کے بغیر اللہ تعالیٰ سے محبت، اس کی اطاعت میں مداومت ناممکن ہے۔ بدون بواسطے رسول ﷺ بندے کی ایمان قبول نہیں چہ جائیکہ وہ محبوب خدا بنے۔ا

دورہ حدیث کے سال استاد محترم مولانا عبید اللہ خالد صاحب نے موطا امام مالک کی ایک حدیث دلنشیں انداز میں پڑھائی تھی۔ حدیث کا مفہوم یوں ہے کہ: ''جب اللہ رب العزت کسی بندے سے محبت فرماتے ہیں تو جبرئیل امین سے فرماتے ہیں کہ اے جبرئیل! میں فلاں بندے سے محبت کرتا ہوں، اسے پسند کرتا ہوں لہذا تو بھی اس سے محبت رکھ۔ چنانچہ ملائکہ کے سردار حضرت جبریل امین بھی اس سے محبت کرتے ہیں۔ پھر وہ اہل سماء میں اعلان فرماتے ہیں کہ اے سکان سماء! مالک ارض وسماء فلاں بندے سے محبت رکھتا ہے تم بھی اس سے محبت کرو۔

چنانچہ خلائقِ سماء بھی اس بندے سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ اس کے بعد اس محبوب خدا کی مقبولیت زمین میں پھیلتی ہے اور اہل ارض بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔''

حضرت شاہ حکیم اختر صاحب رحؒ بھی ان معدودے لوگوں میں سے جو اللہ کو محبوب تھے، وہ کیوں نہ اللہ کے محبوب ہوتے کہ پوری عمر محبوب خدا کی سنتوں کو زندہ کرنے میں بتائی۔ وہ تو علماء دیو بند کے محبوب تھے۔ عوام وخواص اس سے کٹ کر محبت کرتے تھے۔ افراتفری اور مادیت کے اس دور میں مخلوقِ خدا حضرت والا کے آستانے میں حاضری دینا سعادت سمجھتی تھی۔ بغیر کسی دنیاوی غرض اور مقصد کے صرف اللہ کے لیے محبت کرنا ہی محبت حقیقی ہے۔ ورنہ تو آج لوگ کسی کے خوف وشر سے بچنے اور مال ومتاع کے لالچ میں محبت واکرام کرتے ہیں۔ اور شاہ صاحبؒ سے خلقت رضاء الٰہی کے لیے محبت کرتی تھی۔

استاد محترم مولانا عبید اللہ خالد صاحب نے جامعہ فاروقیہ میں طلبہ کے ایک پروگرام میں فرمایا تھا کہ'' آجکل دینی مدارس و اجتماعات میں بھی غیر مستند شعراء کا کلام، نظمیں اور نعتیں سنائی جاتی ہیں، بعض دفعہ تو ان کا کلام دینی احکامات کے خلاف بھی ہوتا ہے۔ میری گزارش ہے کہ جامعہ کے پروگراموں میں حضرت نفیس شاہ صاحب اور حضرت حکیم اختر صاحب کا کلام پڑھا جائے۔ ان دونوں بزرگوں کا کلام شرعی پیمانوں پر پورا اترتا ہے۔ کلام میں شرینی اور لطافت بھی ہے۔ اور شعری معیار پر پورا بھی اترتا ہے اور اکابر علماء ان کے کلام پر اعتماد بھی کرتے ہیں''۔

حضرت والا کی اصلاحی وعلمی خدمات کے ساتھ سماجی خدمات کا بھی ایک وسیع نیٹ ورک ہے۔ الاختر ٹرسٹ کے نام سے ملک بھر کی طرح گلگت بلتستان کے غریب مسلمان بھی مستفید ہوتے رہے۔ مگر افسوس کہ کچھ عرصے سے یہاں گلگت کے مقامی نااہل ذمہ داروں کی غیر شائستہ حرکتوں کی وجہ سے الاختر ٹرسٹ کی امداد ومعاونت سے باسیان گلگت بلتستان محروم ہیں۔ گلگت بلتستان میں الاختر ٹرسٹ کی ذمہ داریاں جن لوگوں کو سونپی گئی تھیں انہوں نے غریب اور مستحق عوام کے مال پر ہاتھ صاف کیا۔ شروع شروع میں ٹرسٹ کا امدادی مال گلگت بلتستان کے پسماندہ علاقوں تک پہنچ چکا تھا مگر بعد میں صورت حال مختلف رہی۔ جس کی وجہ سے شاید ٹرسٹ کے بزرگوں نے یہاں کام معطل دیا۔

حضرت والا رحمہ اللہ کی باقیات صالحات سے گزارش ہے کہ گلگت بلتستان کے غیور اور مستحق مسلمانوں کو الاختر ٹرسٹ کے فیوض وامداد سے محروم نہ رکھیں۔ دیندار اور صالح علماء کی ایک کمیٹی بنا کر یہاں دوبارہ سماجی کاموں کا نیٹ ورک بچھایا جا سکتا ہے۔ اہل باطل نے گلگت بلتستان میں سماجی کاموں کا وسیع نیٹ ورک بچھا کر یہاں فتنہ وفساد شروع کر رکھا ہے۔ دیگر قبیح

مضرات کے ساتھ ایک عظیم المیہ یہ بھی وقوع پذیر ہو رہا ہے کہ غریب اور سادہ لوح مسلمان ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔
الاختر ٹرسٹ اور دیگر رفاہی وسماجی اداروں بالخصوص اکابر علماء کرام کو اس حوالے سے سنجیدگی سے کوئی لائحہ عمل طے کرنا ہوگا۔ وگرنہ آنے والے دنوں کے موسم یہاں کے اہل سنت عوام کے لیے صحت افزا نہیں۔
گلگت بلتستان کے مدارس بھی مفلوک الحال ہیں، ان پر بھی توجہ دینی کی اشد ضرورت ہے۔ بہر صورت الاختر ٹرسٹ والوں کی نظر کرم والتفات کی اشد ضرورت ہے۔ حضرت والا کا لٹریچر بھی اگر گلگت بلتستان میں مستقل بنیادوں پر تقسیم کیا جائے تو مناسب نتیجے کی توقع ہے۔
حضرت والا کی رحلت ہو چکی ہے۔ موت کو کسی سے رستگاری نہیں۔ ہم نے بھی وہاں جانا ہے جہاں حضرت چلے گئے ہیں۔ اس معمورے بے ثبات میں کسی کو مخلد نہیں رہنا ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو محبوبِ خدا جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کو کبھی بھی موت نہ آتی۔

ولو کانت الدنیا تدوم لواحد　　　لکان محمد فیھا مخلداً

حضرت والا کی رحلت کی خبر سن کر دل افسردہ ہوا۔ مگر فوراً ''**انا للہ وانا الیہ راجعون**'' پڑھ لیا۔ ان کی وفات حسرت آیات پر ہر ایک رویا۔ **العین تدمع**۔ آنکھوں پر اختیار ختم ہو چکا ہے۔
خلقت بے ساختہ روئی۔ دل مغموم ہیں۔ **والقلب یحزن**۔ حضرت کی وفات پر تو اہل علم وعمل لکھیں گے۔ ان کی زندگی، سوانح عمری پر بھی اصحاب قلم ہی قلم اُٹھائیں گے۔
تاہم ہماری اس ناقص تحریر کا سبب برادرم مکرم مولانا زین العابدین حفظہ اللہ رعاہ بنے جو حضرت شاہ صاحب نوراللہ مرجعہ کی وفات حسرت آیات پر اہل علم وقلم کی تحریری جمع کر کے ''تذکرہ وسوانح'' ترتیب دے رہے ہیں۔ سچ یہ کہ وہ ثواب کما گئے اور ان کی بدولت ہم بھی خریداران یوسفؑ میں شامل ہیں ورنہ من آنم کہ من دانم۔ ہم تو انہی لوگوں میں ہیں جو حضرت والا کے نام سے نام کمانا چاہتے ہیں۔
کسی عربی شاعر نے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے حوالے سے کیا خوب کہا ہے کہ

مامدحتُ محمداً بمقالتی　　　لکن مدحت مقالتی بمحمدِ

....

یادِ رفتگاں

حضرت مولانا قاری محمد رفیق الخلیلؒ کی شہادت

مولانا سید محمد زین العابدین

فاضل جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن

ای میل: s.zain13@yahoo.com

مؤرخہ ۱۶ ر صفر المظفر ۱۴۳۴ھ بمطابق ۳۰ ر دسمبر ۲۰۱۲ء بروز اتوار دوپہر تقریباً ۲ ر بجے عالمگیر مسجد بہادر آباد کے امام وخطیب حضرت مولانا قاری محمد رفیق الخلیل صاحب کو اس وقت دہشت گردی کا نشانہ بنا کر شہید کر دیا گیا جب وہ ملیر کے علاقے میں اپنے قائم کردہ ادارہ، ادارۃ الفرقان سے مسجد عالمگیر بہادر آباد کی طرف آرہے تھے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون، ان للہ ما اخذ ولہ ما اعطی وکل شئی عندہ باجل مسمی۔

سمجھ نہیں آتا کہ کیا ماجرا ہے؟ ایسا لگتا ہے کہ علماء کرام کی ایک بڑی تعداد جو خدمتِ دین میں مصروف ومشغول ہے اور جن سے کسی بھی جہت سے ایک ذرہ کے برابر بھی خلقِ خدا کو فائدہ پہنچ رہا ہے انکو بڑے اہتمام کے ساتھ نشانہ بنایا جارہا ہے اسکے ذریعے شاید یہ کوشش ہے کہ دین کے داعی ومبلغ، امت کے مصلح ومربی، قرآن وحدیث کے مفسر ومحدث، مساجد ومدارس کے خطیب ومدرس، دینی کتب کے مصنف ومؤلف، امت کے مقتداء ورہنماء اور دین کا نام لینے والے رفتہ رفتہ مٹادئے جائیں تو یہ دین ختم ہوجائیگا۔ یہ کوشش تو انشاء اللہ کامیاب نہیں ہوسکتی، کیونکہ دین اسلام کی حفاظت کی ذمہ داری قیامت تک کے لئے اللہ پاک نے خود لی ہے وہ اسکے لئے کسی شخصیت کا محتاج نہیں لیکن بہر حال علمائے حق کو نشانِ ظلم بنانا یہ بہت ہی افسوسناک بات، اور کتنا خصلت لوگوں کی بھیانک حرکت ہے۔

ہر مسلمان جسکا ان علماء حق جیسے پاک نفوس اور بے ضرر شخصیات سے کسی بھی درجے کا تعلق ہے اسکا دل ان واقعات سے زخمی ہے، اس وقت ہم عجیب وغریب حالات سے دوچار ہیں پورا ملک خاص طور پر ہمارا شہرِ کراچی بدامنی کا گڑھ بنا ہوا ہے انسان کی جان مکھی مچھر سے زیادہ بے حقیقت ہوکر رہ گئی ہے اور وہ صورتحال ہے جو حدیث میں ذکر فرمائی گئی ہے کہ قیامت سے پہلے ایسا ہوگا کہ جب کوئی شخص قتل ہوگا تو پتہ نہیں چلے گا کہ کس نے مارا؟ اور نہ یہ پتہ چلے گا کہ کیوں مارا؟ اس وقت مولانا رفیق الخلیلؒ جیسے جید عالم دین اور محبِّ وطن شخصیت کو دن دھاڑے قانون نافذ کرنے والے اداروں کی موجودگی میں انتہائی بے دردی کے ساتھ شہید کر دیا گیا! آخر انکا جرم کیا تھا؟ وہ کسی سیاست سے وابستہ نہیں تھے، کسی قسم کی فرقہ واریت سے انکا کوئی تعلق نہیں تھا، انکی کسی سے کوئی ذاتی دشمنی نہیں تھی، وہ چور نہیں تھے، ڈاکو نہیں تھے، بدمعاش نہیں تھے یا کسی اور ملک دشمن سرگرمی میں ملوث

نہیں تھے، اور پھر ایسی بے ضرر شخصیات کے قاتل ہمارے ملک میں نہ جانے کدھر چلے جاتے ہیں پتہ نہیں آسمان کھا جاتا ہے یا زمین نگل جاتی ہے؟ مزید برآں حالات بد سے بدتر ہوتے چلے جار ہے ہیں کسی بھی طبقے سے تعلق رکھنے والا کوئی بھی فرد محفوظ نہیں ہے علماء، طلبہ، عوام وخواص سب ہی نشانہ ستم بنے ہوئے ہیں ان حالات میں ہر طرف لوگوں کے دلوں میں مایوسی چھائی ہوئی ہے زندگی اجیرن ہو رہی ہے، کسی کی جان مال آبرو محفوظ نہیں، ہر نیا دن کسی نئے افسوسناک واقعہ کے ساتھ نمودار ہوتا ہے پورے ملک میں یہ کیفیت ہے، بہرحال اس وقت کی صورتحال بہت ہی نازک ہے اس وقت سب سے اہم چیز مسلمانوں کے لئے اپنے ایمان اور اعمال کو مضبوط کرنا ہے، دوسری چیز علماء کرام پر بھرپور اعتماد کرنا ہے اور علماء کرام پر بھی یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ انبیاء کے وارث ہیں انکو اپنی ذمہ داری کا ہر وقت پاس ولحاظ رکھنا چاہئے خصوصیت کے ساتھ اس نازک موقع پر۔ مذہبی جماعتوں کو آپس کے اختلافات بھلا کر پوری امت کا مفاد سامنے رکھتے ہوئے ایک ہو جانا چاہئے اور تمام مسلمانوں کو ساتھ لیتے ہوئے مشترکہ دشمن پر کڑی نظر کر کے اسکا قلع قمع کرنے کی بھرپور حکمتِ عملی اپنانی چاہئے۔

حضرت مولانا قاری محمد رفیق الخلیل ۱۹۵۰ء میں خانیوال میں پیدا ہوئے، مکمل تعلیم جامعہ دارالعلوم عیدگاہ کبیر والہ ضلع خانیوال میں حاصل کر کے ۱۹۷۵ء میں فاتحہ فراغ پڑھا، آپکے ہم درس ساتھیوں میں حضرت مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقیؒ شامل ہیں جبکہ اساتذہ میں حضرت مولانا علی محمدؒ، حضرت مولانا مفتی عبدالقادرؒ، حضرت مولانا احسان الحقؒ، حضرت مولانا غلام یٰسین تونسویؒ، حضرت مولانا عبدالستار تونسویؒ، اور عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے امیر مرکزیہ حضرت مولانا عبدالمجید لدھیانوی مدظلہ شامل ہیں۔

بعد از فراغ آپ کراچی تشریف لائے اور یہاں مستقل سکونت اختیار فرمائی پہلے پہل جامعہ فاروقیہ کراچی میں آپکا بطور مدرس تقرر ہوا پھر جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن تشریف لے گئے اور دو سال تک وہاں حفظ کی کلاس پڑھائی، پھر ۱۹۸۸ء میں ملیر ۱۵ کے علاقے میں اپنا ادارہ ادارۃ الفرقان کے نام سے قائم کیا اور ساتھ ہی جامع مسجد عالمگیر بہادر آباد میں امامت وخطابت بھی شروع فرمائی، جبکہ اسی دوران آپ اہلسنت والجماعت میں بھی شامل ہوگئے۔ چنانچہ ۱۹۸۵ء سے لیکر ۱۹۹۳ء تک آپ تحفظ ناموس صحابہؓ کے اس پلیٹ فارم پر کام کرتے رہے۔ ۱۹۹۳ء میں آپ نے باضابطہ طور پر اہلسنت والجماعت چھوڑ دی تھی لیکن انفرادی طور پر عظمتِ صحابہؓ کی آواز بلند کرتے رہے۔

سلوک کی منازل طے کرنے کے لئے آپ نے حضرت مفتی رشید احمد لدھیانویؒ سے اصلاحی تعلق قائم فرمایا چنانچہ حضرتؒ کی طرف سے بھی بھرپور شفقت کا مظاہرہ فرمایا گیا اور کچھ ہی عرصے بعد آپ حضرت مفتی صاحبؒ کے خلیفہ مجاز قرار پائے۔ حضرت مولانا رفیق الخلیل شہیدؒ نے اپنے آپکو درس وتدریس، خانقاہ وارشاد، اور وعظ ونصیحت کے لئے وقف کیا ہوا تھا، آپ ایک جید عالم، کامیاب خطیب اور زبردست مدرس تھے۔

آپکے شیخ حضرت مفتی رشید احمدؒ کی طرح آپکی نماز جنازہ بھی آپکی شہادت کے صرف ۳ گھنٹے بعد ادا کی گئی جسکی امامت آپکے صاحبزادے مولانا فاروق رفیق نے کی بعد ازاں آپ کے جسدِ خاکی کو حب ریور روڈ کے قبرستان میں لے جا کر سپرد خاک کر دیا گیا۔ پسماندگان میں ۴ر صاحبزادے مولانا فاروق رفیق، مولانا عثمان رفیق، علی رفیق، خالد رفیق، ۲ر عالمہ صاحبزادیاں بیوہ اور ہزاروں عقیدت مند سوگوار چھوڑے ہیں۔

اللھم اغفر له وارحمه، اللھم لا تحرمنا اجره ولا تفتنا بعده

یادرفتگان

”مولانا فرشتہ صاحب“

مراسلہ نگار: ابراہیم حسین عابدی

habidi@gmail.com

....

بچھڑنے والا ساتھی خواہ مختصر گھڑی کا ہو یا پوری صدی کا، اچانک ساتھ چھوڑنے پر دل خون کے آنسو روتا ہے، موت کی خبر پر یقین نہیں آتا، طرح طرح کے سوالات کر کے خبر کو غلط فہمی پر محمول کرنے کی کوشش کی جاتی ہے لیکن ہوتا وہی ہے جو منظور خدا ہوتا ہے، دنیا میں ہر آنے والا اپنے ساتھ جانے کا وقت بھی تقدیر کا تب سے لکھوا کر لاتا ہے۔ لیکن کچھ جانے والے اس انداز سے جاتے ہیں کہ ان کی ہر ادا دلربا ہوتی ہے، جانے پر ہر آنکھ اشک بار ہوتی ہے، زندگی بھی قابل رشک اور موت بھی۔

صبح فجر کی نماز سے قبل مولانا انعام الرحمٰن حجازی کا میسج آیا ”میرے والد محترم انتقال کر گئے“۔ ذہن میں ان کا نورانی چہرہ گھومنے لگا، ان کی محبت بھری باتیں، مسکراتی آنکھیں یاد آنے لگیں۔ یقین کرنے کو جی نہیں چاہ رہا تھا کہ وہ اچانک داغ مفارقت دے جائیں گے۔

مولانا بحرالنعم حجازی نے ابتدائی کتب دارالعلوم دیوبند میں پڑھیں، مجبوری کی بنا پر بادل نخواستہ تکمیل پاکستان آ کر کی۔ گزشتہ پچیس سال سے مسجد اللہ والی بڑا بورڈ کراچی میں امامت و خطابت کے فرائض انجام دیتے تھے۔ مسجد کی تنخواہ کو کبھی وسیلۂ روزگار نہیں بنایا، اپنا احتیاج کسی پر ظاہر ہونے نہیں دیتے، ہمیشہ اپنا کام خود کرتے، آخری وقت ضعف بڑھنے کے باوجود بغیر سہارے آمدورفت رہتی، نماز باجماعت مسجد میں پڑھنے کو ترجیح دیتے۔ کوئی سہارا دینے کی، گلاس یا پیالا منہ تک لیجانے کی کوشش کرتا تو منع کر دیتے۔ رب نے بھی ان خودداری کی لاج رکھی، آخری وقت تک کسی کے محتاج نہ ہوئے، ایک نماز تک نہ فوت ہوئی بلکہ تہجد کی نیت سے شب کے آخری پہر اٹھے جب رب کی رحمت آسمان دنیا پر اتر آئی تھی اور وہ اسی بابرکت ساعات میں رحمت سے فیضیاب ہونے اس کے جلو میں چلے گئے۔

وہ غریبوں کی مالی معاونت کرتے تھے۔ مدارس میں کئی طلبہ ایسے ہوتے ہیں جن کے پاس کپڑے دھونے کے لیے صابن کے پیسے تک نہیں ہوتے۔ ایسے طلبہ کی وہ خبر گیری کیا کرتے، ان کی پریشانی دور کرتے۔ یتیموں کے سر پر دست شفقت رکھ کر انہیں اپنے بیٹوں کی طرح پالتے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی وفات پر اسی قسم کے لوگ سب سے زیادہ غمگین نظر آئے جن کی انہوں نے مدد کی۔

ایک مرتبہ اپنے گاؤں کالا ڈھاکہ کے علاقے ”زیزاری“ گئے۔ وہاں بھی اپنی زندگی کا مقصد دین کی سرفرازی کو جاری رکھا۔ جہاں بھی جاتے اتباع سنت کی تبلیغ اور بدعات سے بچنے کی ترغیب دیتے۔ اپنے نظام الاوقات کی پابندی

وہاں بھی ترک نہیں کی۔ ان کی بزرگی، للّٰہیت اور نورانی چہرے کو دیکھتے ہوئے گاؤں کے پٹھانوں نے اپنے انداز میں انہیں ''فرشتہ مولی صیب'' کے لقب سے نوازا، یوں وہ گاؤں اسے نام سے پہچانے جانے لگیں۔ انہوں نے پٹھان ہونے کے باوجود شادی پختہ عمر میں کی۔

ان کے صاحبزادے مولانا انعام الرحمٰن حجازی نے اپنا واقعہ سنایا ''والد محترم نے حفظ قرآن کے لیے مدرسہ میں داخل کروایا، طلبہ کے والدین اپنے بچوں سے ملنے مدرسہ آتے، سب کے والدین کی داڑھیاں کالی ہوتیں جبکہ میرے والد کی سفید۔ میں یہ سوچ کر غمزدہ ہو جاتا کہ معلوم نہیں میری حفظ قرآن کی تکمیل کے وقت والد صاحب زندہ بھی ہوں گے یا نہیں۔ ایک دن اسی غم نے مجھ پر بسیرا کیا ہوا تھا، ایک کونے میں ناراض بیٹھا تھا کہ اتنے میں استاذ محترم تشریف لائے، ان کی نظر مجھ پر پڑی تو اداسی کا سبب دریافت کیا، میں نے روتے ہوئے جب وجہ بتائی تو انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا انعام بیٹا! یہ آپ کو کس نے بتایا کہ موت کا تعلق عمر سے جڑا ہے، کیا آپ نے کبھی نہیں سنا یا نومولود دنیا میں آتے ہی ہمیشہ کے لیے آنکھیں بند کر کے چلا جاتا ہے، تندرست وتوانا نوجوان اچانک راہی ملک بقا ہو جاتا ہے۔ آپ دیکھیں گے ضرور آپ کے والد آپ کی دستار بندی کے وقت موجود ہوں گے۔ استاذ محترم کی باتوں میں نہ جانے کیا تاثیر تھی مجھے یقین سا ہو گیا اب میرے والد درمیان میں چھوڑ کر نہیں جائیں گے اور میں نے اداس رہنا بھی چھوڑ دیا۔

آج الحمدللہ درس نظامی کی تکمیل کر چکا ہوں، ایک مدرسہ کی تمام ذمہ داریاں میرے ناتواں کاندھوں پر ہیں۔ میرا بیٹا حفظ قرآن کے بعد درس نظامی کے آخری مراحل میں ہیں، بھانجے حافظ قرآن اور عالم دین بن کر اعلائے کلمۃ اللہ کا فریضہ انجام دے رہے ہیں، بلکہ اب تو ان کی اولاد یعنی والد مرحوم کی تیسری نسل بھی حفاظ قرآن بن رہی ہیں جو رہتی دنیا تک ان کے لیے صدقہ جاریہ ہوگا۔

ان کی وفات والے دن حکومتی سطح پر حضرت حسینؓ کا چہلم منایا جا رہا تھا، عام تعطیل تھی، موبائل نیٹ ورک اور سی این جی بند تھی۔ اس سب کے باوجود ان کے جنازے میں ایک جم غفیر تھا، جنازے کو کندھا دینے کا موقع نہیں مل رہا تھا، آخری آرام گاہ کی طرف گاڑیوں کا قافلہ رواں دکھائی دے رہا تھا۔ جامعۃ العلوم الاسلامیہ علّامہ بنوری ٹاؤن کے استاذ الحدیث مولانا محمد زیب نے ان کی وفات کے موقع پر تعزیت پر آنے والے حضرات سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہم ایک سرپرست سے محروم ہو گئے، جب بھی کوئی مشکل یا پریشانی آن پڑتی رب ذوالجلال کے بعد حضرت کی ذات کی طرف ہی نگاہ متوجہ ہوتی، ان کے مشورے اور دعائیہ کلمات ڈھارس بندھاتے۔

مولانا بحرالنعم حجازی کی وصیت کے مطابق ان کی نماز جنازہ معروف روحانی شخصیت مولانا شمس الرحمٰن عباسی نے پڑھائی۔ حجازی رحمۃ اللہ امر ہو گئے لیکن پیچھے رہنے والوں کے لیے جینے کا قرینہ، آخری وقت کی تیاری اور اپنے نصیحت آموز زندگی مشعل راہ کے طور پر چھوڑ گئے۔

☆☆☆

یادِ رفتگاں

مولانا نذیر اللہ خانؒ، ایک محبت کرنے والے انسان

مولانا شفیق الرحمان صاحب
مہتمم جامعہ انوار العلوم شادباغ ملیر ہالٹ کراچی پاکستان

ان کی شب و روز مسلسل خدمتِ دین سے عبارت تھی۔ انہوں نے ترویج دین کے سلسلے میں گراں قدر خدمات سرانجام دی۔ حضرت قاضی عبدالرزاق علیہ الرحمۃ کے رفیقِ خاص تھے۔ قاضی کا ان پر بہت اعتماد تھا جبھی تو ہاتھ پکڑ کر جامعہ نصرۃ الاسلام میں لا بٹھایا۔ اپنی فہم و فراست سے قاضی علیہ الرحمۃ کو یہ یقین تھا کہ مولانا نذیر اللہ (مرحوم) مدرسے کیساتھ آخر دم تک منسلک ہی رہیں گے۔ زمانے نے دیکھا کہ قاضی مرحوم کی اُمیدیں اسی طرح پوری ہوئیں جیسے ان کا گمان تھا۔۔۔ وہ آخر دم تک مدرسے کے ہی ہو کر رہے چھٹی کے دن بھی حاضر رہتے۔۔ کہنے والے کہتے ہیں۔۔ کہ۔۔۔ مولانا مرحوم فرمایا کرتے تھے میں چاہتا ہوں کہ میرا جنازہ یہی سے اٹھے۔۔ ہوا ایسا ہی۔۔

احقر کیساتھ مولانا مرحوم کی انتہائی محبت تھی۔۔ طالب علمی کے زمانے سے تعلق تھا۔۔ ہر وقت شفقت کا مظاہرہ فرماتے۔۔ جب بھی حاضری ہوتی انتہائی محبت سے پیش آتے اور ہر بار بھرپور اعتماد کا مظاہرہ کرتے ہوئے دعائیں دیتے۔۔ گلگت بلتستان کے دور دراز علاقوں میں اسلام کی تبلیغ و ترویج کے لئے دینی اداروں کا جب اجراء کیا تو اس اقدام کو بہت سراہا اور ڈھیروں دعائیں دی۔۔ اور۔۔ جب گلگت کی تاریخ میں پہلی بار 3/اگست 2006 کو منعقد ہونے والی تقریب ختم بخاری کا دعوت نامہ لیکر گیا تو انتہائی خلوص و محبت کا مظاہرہ فرماتے ہوئے خوشی کا اظہار فرمایا۔۔ اس سلسلے میں ایک عزیز فرمایا کرتے تھے کہ جب میں حضرت کے پاس گیا تو وہ دعوت نامہ دیکھا کر گویا ہوئے کہ اللہ ان (احقر) کی عمر میں برکت دے، دین کی ترویج کے سلسلے میں ان کے گراں قدر خدمات ہیں اور آج پہلی بار گلگت کی سرزمیں پر ختمِ بخاری کا اعزاز بھی انہیں حاصل ہوا۔۔ اللہ مبارک کریں۔ ایک بار فرمایا کہ میری تمنا ہے کہ اب جب کراچی جانا ہوا تو سیدھے مولانا کے پاس جاؤنگا۔۔ لیکن وہ دن نہیں آیا۔۔ ہم انتظار کرتے رہے۔۔ غنیمت سمجھتے ان کی موجودگی کو۔۔ مگر اب جب سوچتا ہوں تو احساس ہوتا ہے کہ دعائیں دینے اور حد درجہ مخلص اور محبت کرنے والا وہ انسان آج ہم میں نہیں۔۔ وہ بیمار تھے۔۔ یہ عمر کا تقاضا بھی تھا۔ لیکن۔۔ یہ گمان نہیں تھا کہ یہی بیماری ان کی آخری بیماری ثابت ہوگی۔۔ ان دنوں مولانا (مرحوم) کو اسلام آباد لایا گیا۔۔ 21/اکتوبر 2011 کی رات یہ روح فرسا خبر ملی کہ حضرت مولانا (علیہ الرحمۃ) کا انتقال ہو چکا ہے۔ یوں گلگت کی سرزمین دیوبند کے چمن کی ایک اور پھول سے خالی ہوا۔۔ اور حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلقین میں سے ایک اور نایاب انسان اپنے رب کے پاس چلے گئے۔۔۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی معمولی خطاؤں کو معاف فرمائے اور انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطاء کرے۔۔

تبصرہ وتعارف کتب

تبصرہ کے لیے کتاب/میگزین کی دو عدد کاپیاں ارسال کرنا ضروری ہے۔ادارہ

مبصر: امیر جان حقانی

لیکچرر، فیڈرل گورنمنٹ ڈگری کالج گلگت جوٹیال واستاد جامعہ نصرۃ الاسلام گلگت

کتاب کا نام: تذکرۃ العطاء (تذکرہ وسوانح، مولانا عطاء الرحمان شہید)

مرتب: مولانا سید زین العابدین ضخامت: 400 صفحات

سن اشاعت: مئی 2013ء ناشر: زمزم پبلشرز کراچی

زیر نظر کتاب جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی کے جید عالم دین، استاد الحدیث و ناظم تعلیمات حضرت مولانا عطاء الرحمان کی شہادت پر لکھے گئے مضامین کا مجموعہ ہے۔یہ مضامین مختلف اخبارات وجرائد اور دینی رسائل میں شائع ہو چکے ہیں۔کتاب میں اکابر علماء کرام، مفتیان عظام اور اہل قلم کے تاثرات، مضامین اور کالمز بھی ہیں۔مولانا شہید کی مکمل سوانح عمری بھی ہے۔کتاب کا ایک حصہ عربی مضامین وانا شید پر مشتمل ہے۔مولانا شہید کے مختلف کے مختلف بیانات، درسی نکات ولطائف، طلبہ کرام سے کی جانے والی نصیحتیں اور علمی مجلسوں میں اہم نکات اور ادبی پھلجڑیاں وغیرہ ملفوظات کے عنوان سے محفوظ ہیں۔مولانا شہید کو اللہ تعالیٰ نے شعری وادبی ذوق سے بھی خوب نوازا تھا۔اردو، عربی ،فارسی اور پشتو کے سینکڑوں اشعار برلب زبان تھے۔موقع محل پر خوب استعمال کرتے تھے۔''شعریات وادبیات'' کے عنوان سے ایک دلچسپ مضمون بھی شامل ہے۔نظم کی شکل میں مختلف شعراء وسخنوروں نے مولانا شہید کی خدمات پر جو خراج عقیدت پیش کیا ہے وہ کلام بھی کتاب کا حصہ ہے۔مختلف اخبارات نے مولانا اور اس کے ساتھیوں کی مفاجاتی شہادت پر جو اداریے لکھے ہیں وہ بھی کتاب کا حصہ ہیں۔''حیات مستعار ایک جھلک'' کے عنوان سے حضرت شہید کی سوانح عمری پر حضرت مولانا مفتی خالد محمود صاحب، نائب رئیس اقراء روضۃ الاطفال پاکستان نے ایک نہایت وقیع مضمون لکھا ہے، جو پڑھنے کے قابل ہے۔عجب قیامت کا حادثہ ہے! (شفیع چترالی) کچھ یادیں کچھ باتیں (مولانا ولی خان المظفر)، آہ استادگرامی (مولانا سید عدنان کاکاخیل) ایک گوہر نایاب (مولانا راشد الحق حقانی) کے عنوانات سے بھی گرانقدر مضامین بہت درد دل سے لکھے گئے ہیں۔مولانا ڈاکٹر عبد الرزاق اسکندر مدظلہ، مولانا عزیز الرحمان، مولانا زرولی خان، مفتی مزمل کاپڑیا، مولانا اللہ وسایا اور مولانا عبد القیوم حقانی کے مضامین بھی شامل کتاب ہیں۔جامعہ بنوری ٹاؤن کے استاد الحدیث مولانا فضل محمد یوسف زئی کا نہایت دلچسپ ادبی مضمون ''شیخ عطاء الرحمٰن شہید رحمۃ اللہ علیہ'' کے عنوان سے شامل کتاب ہے۔مضمون کیا ہے علم وادب کا ایک حسین شہ پارہ ہے۔لفظ لفظ سے ادبیت وشعریت جھلکتی ہے اور مختلف حادثات میں پیش آنے سے جامعہ کو پہنچنے والی نقصانات کا خوبصورت پیرائے میں ذکر ملتا ہے۔عربی واردو کے اشعار بھی برمحل استعمال کیے گئے ہیں۔کتاب کے آخر میں''

شہید راہ وفا'' کے عنوان سے مولانا عطاء الرحمٰن کے ساتھ شہید ہونے والے مولانا مفتی عرفان حمید میمن شہید پر بھی چند خصوصی مضامین شامل کیے گئے ہیں۔ جو یقیناً ان کا حق تھا۔ بہرصورت مجموعی طور پر کتاب کی طباعت و اشاعت اور ترتیب مضامین پر خصوصی توجہ دی گئی ہے۔ مولانا سید محمد زین العابدین (فاضل جامعہ بنوری ٹاؤن، مدرس مدرسہ امام ابو یوسفؒ) نے ان تمام مضامین کو جمع کر کے ایک کتاب کی شکل دیکر حقِ شاگردی ادا کی ہے۔

☆☆☆

کتاب کا نام: تبلیغی جماعت تالیف: مفتی صابر محمود

تقریظ: شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان صاحب ضخامت: 364 صفحات

ناشر: ادارۃ الرشید کراچی

اس وقت مسلم دنیا میں علمائے دیوبند تین چیزوں سے تعبیر ہیں۔ دینی مدارس، نفاذ اسلام اور اسلامی ریاست کے دینی سیاسی سوچ اور جماعت تبلیغ۔ اور جنوبی ایشاء میں اٹھنے والی جہادی تحریکیں بھی انہی دیوبندی مدارس کی رہین منت ہیں۔ ان تینوں شعبوں کا باقاعدہ ادارتی تعلق نہ ہونے کے باوجود بھی ایک دوسروں سے گہرا تعلق ہے۔ ایک دوسروں کے لیے گہری عقیدت ہے۔ زیر نظر کتاب شعبہ تبلیغ سے متعلق ہے۔ اس کتاب کا اصل موضوع اعتراضات پر مبنی ہے جو تبلیغی جماعت والوں کے کام پر اٹھائے جاتے ہیں۔ کتاب کے مؤلف ہمارے دوست اور کلاس فیلو جناب مولانا مفتی صابر محمود گلگت بلتستان سے تعلق رکھتے ہیں۔ جامعہ فاروقیہ کے فاضل و متخصص فی الفقہ ہے۔ اور دعوت تبلیغ میں جماعت تبلیغ کے ساتھ اندرون ملک سال بھی لگایا ہے۔ دوران سال انہیں مختلف قسم کے مشاہدات ہوئے۔ ان کی روشنی میں یہ کتاب تالیف کی ہے۔ اس کتاب کو ترتیب دینے میں حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہ اللہ کی فتاویٰ کو بنیادی ماخذ کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ اور ان تمام اشکالات کا جواب بہت احسن طریقے سے اور تفصیلی طور پر دیا گیا ہے جو عام طور پر معاشرے میں اٹھائے جاتے ہیں۔ اور ساتھ ہی فتاویٰ اور دیگر کتب کا حوالہ بھی دیا گیا ہے جہاں سے اکتساب کیا گیا ہے۔

تبلیغی جماعت کی شرعی حیثیت کیا ہے؟۔ کیا مسلم خواتین پر بھی تبلیغ کا کام لازم ہے؟ کیا تبلیغی جماعت کا کام کا انداز انبیاء والا ہے؟۔ اور ان جیسے سینکڑوں سوالات و اشکالات کا جواب فتاویٰ محمودیہ کی روشنی میں خوبصورت انداز میں دیے گئے ہیں۔ دعوتی کام پر مگن اصحاب کو اس کتاب کا ضرور مطالعہ کرنا چاہیے تاکہ اپنوں اور غیروں سے ہونے والے سوالات و اشکالات کا جوابات بروقت دیے جاسکیں۔ کتاب کے ایک حصہ میں حضرت مفتی صاحبؒ کے کچھ بیانات بھی پیش کیے گئے ہیں جو یقیناً موضوع تبلیغ پر سیر حاصل ہیں۔ مجموعی طور پر کتاب دلچسپ ہے۔ سوال و جواب کی شکل میں مرتب اس کتاب کے مطالعے سے بہت سے علمی و عوامی اشکالات دور ہوجاتے ہیں۔ اور دعوت تبلیغ والوں کی اہمیت و ضرورت اجاگر ہوجاتی ہے۔ استاد محترم حضرت شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان دامت فیوضہم، صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان و مہتمم جامعہ فاروقیہ کراچی کی ایک مختصر مگر پراثر تحریر اور اس کا عکس کتاب کی زینت بنی ہوئی ہے۔ استاد محترم حضرت مولانا یوسف افشانی صاحب کی توثیقی تقریظ بھی موجود ہے۔ پیش لفظ مؤلف نے خود تحریر کیا ہے اور کتاب کا مقدمہ اپنے برادر کبیر مفتی عارف محمود سے لکھوایا ہے۔

کتاب کا نام: بنیاد کا پتھر تصنیف: مولانا عبدالقیوم حقانی

تاریخ طباعت: جمادی الثانی ۱۴۳۳ھ بمطابق ۲۰۱۲ء

ضخامت: 272 صفحات قیمت: درج نہیں

ناشر: القاسم اکیڈمی جامعہ ابوہریرہ خالق آباد نوشہرہ کے۔پی۔کے

بنیاد کا پتھر اپنے موضوع پر ایک اچھوتی اور البیلی کتاب ہے۔ کتاب کو ناول کہنے کی قطعاً گنجائش نہیں مگر لطف و سرور افسانے سے کم بھی نہیں۔ کتاب اول تا آخر دیکھی، اسلامی ادب میں ایسی مثالیں خال خال ملتی ہیں۔ اصاغر و گمنام کارکنوں، مخلص احباب و رفقاء اور جانثاران رفقاء زندگی پر لکھنا کمیاب ضرور ہے مگر یہ روایت بالکل ناپید نہیں۔ اس کتاب کا اصل موضوع دینی اداروں، سماجی و سیاسی تحریکات میں جو لوگ مرکزی کردار ادا کرتے ہیں مگر ظاہراً و باہراً ان کا علم خواص کے علاوہ کسی کو نہیں ہوتا ہے۔ آج کے جدید میڈیائی دور میں تو ہر چیز فوراً منظر عام پر آجاتی ہے مگر سچ یہ ہے کہ آج بھی کسی ادارے کی تعمیر و ترقی اور انتظام و انصرام، کسی سیاسی پارٹی کی تنظیم و ترتیب اور کسی انقلابی کارواں کے نظم و ضبط میں بنیادی طور پر بہت ہی قلیل لوگ خدمات انجام دیتے ہیں۔ ان اقل لوگوں کی حد درجہ محنت، کام سے شغف، خلوص وللہیت اور بے انتہا ذہانت ان اداروں کو بام عروج تک پہنچانے کا سبب بنتی ہے۔ یہ بھی ایک اٹل حقیقت ہے کہ ایسے ادارے، تنظیمیں، پارٹیاں کامیابی و کامرانی کے بعد ایسے جواہر پاروں اور مخلص و گمنام کارکنوں کو تکمیلِ مقصد کے بعد خاموشی سے راستے سے ہٹا دیتی ہیں۔ یعنی قائد یہاں بھی اندھے ہوتے ہیں۔ کسی معمولی کمزوری، ہلکی سی لغزش، کسی چمچے کی غلط رپورٹ سے ان کی تمام محنت اور خلوص پر پانی پھیر دیا جاتا ہے۔ مشاہدہ بتاتا ہے کہ بعض دفعہ تو ایسے ایسے ''عظیم'' لوگوں کو قصور وار ٹھہرایا جاتا ہے اور باقاعدہ تشہیر کی جاتی ہے کہ انسان کانپ جاتا ہے۔ اس رویے سے بہر حال گریز کیا جانا چاہیے۔ اس کتاب کا مرکزی محرک بھی ایسے ہی چند مخلص کارکن بنے ہیں جن کی شبانہ روز محنت سے ادارہ ترقی و تعمیر کے منازل طے کرتا گیا ہے۔ مولانا عبدالقیوم حقانی داد اور مبارک باد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے ان مخلصان کی خدمات کو اچھے وقتوں میں فراموش کرنے کے بجائے پوری کتاب لکھ کر ان کی محبت و خلوص کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اَمر کر دیا ہے۔ ورنہ ہمارے ہاں مجموعی طور پر ایسے جفاکشوں اور اداروں کی تعمیر و ترقی، تزئین و آرائش، انتظام و انصرام اور نظم و ضبط میں ''بنیاد کا پتھر'' بننے والوں کا انجام کافی حد تک ناخوشگوار ہوتا ہے۔ مغربی دنیا کی ترقی کا راز یہی ہے کہ وہ اپنے جفاکش اور قوم و ملت اور اداروں کے لیے قربانی دینے والوں کی کسی نہ کسی شکل میں ہمیشہ یاد رکھتے ہیں۔ ان کو فکر معاش سے تاحیات آزاد رکھا جاتا ہے۔ مشرقی دنیا میں یہ عنقاء ہے اور اس کا نتیجہ بھیانک ہے۔ مغربی دنیا میں ایسے جاندار کارنامے انجام دینے والوں کو مختلف ''خطابات'' یا ''نوبل انعام'' کی شکل میں ایک بھاری معاوضہ دیا جاتا ہے تاکہ مزید کارنامے وجود میں آسکیں۔ ہم مغرب کی نقالی غلط چیزوں میں تو سرعت کے ساتھ کرتے ہیں مگر ایسی اچھی باتوں کی تقلید سے کنی کتراتے ہیں۔

صاحب کتاب مولانا عبدالقیوم حقانی کا ''رفیق سفر'' جگہ جگہ ان کے ساتھ نظر آتا ہے۔ کبھی جامعہ ابوھریرہؓ اور کبھی ٹرسٹ کا حساب و کتاب کرتا نظر آتا ہے تو کبھی رفیق عزیز اور ان کے والدین جامعہ کے مختلف شعبوں کی ''چوکیداری'' کرتے نظر آتے ہیں۔

(بقیہ صفحہ 65 پر)

رپورٹ

بسم اللہ الرحمان الرحیم

سالانہ جلسہ وتقریب ختم بخاری ودستار فضیلت

مرتب: ابن شہزاد حقانی، مدیر سہ ماہی نصرۃ الاسلام

جامعہ نصرۃ الاسلام و جامعہ عائشہ صدیقہ للبنات کی انتظامیہ نے سال 2013ء میں تقریب ختم بخاری انتہائی سادگی سے منعقد کرنے کا فیصلہ کیا۔ گلگت اور اس کے مضافات کے علماء وقراء کو مجلس میں شرکت کی دعوت دی گئی جس کے لیے باقاعدہ دعوت نامے ارسال کیے گئے۔ فاضلہ طالبات کو بھی دعوت نامے دیے گئے کہ دو سے زائد مہمانوں کو نہ بلایا جائے۔ مجلس منتظمہ نے فیصلہ کیا کہ ختم بخاری شریف کا آخری درس شیخ الحدیث مولانا عبدالقدوس چلاسی (عروۃ الوثقیٰ) چلانے والے دیں گے جبکہ تمہیدی کلمات رئیس الجامعہ قاضی نثار احمد صاحب پیش کریں گے۔ اسٹیج سکریٹری کے فرائض مدیر سہ ماہی نصرۃ الاسلام ابن شہزاد حقانی ادا کریں گے۔ یوں جامعہ نصرۃ الاسلام کے مرکزی حال میں ایک باوقار اجتماع منعقد کیا گیا۔ اور خواتین کے لیے جامعہ عائشہ صدیقہ للبنات کے مرکزی لان میں انتظامات کیے گئے۔ تاہم انتظامیہ کی مکمل کوششوں کے باوجود خواتین وحضرات کے ایک جم غفیر نے اس مبارک اجتماع میں شرکت کی۔ منتظمین طعام نے پیشگی تدبیر کے ذریعے کھانا بڑی تعداد میں تیار کروایا تھا تاکہ بعد میں مشکلات کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

پروگرام کا باقاعدہ آغاز تلاوت قرآن کریم سے ہوا۔

جامعہ کے طالب علم حافظ رضا احمد اور حافظ رفیع الدین نے تلاوت قرآن سے حاضرین کے دلوں کو منور کیا۔

نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم:

نبی اکرم شفیع اعظم دکھوں دلوں کا سلام لے لو
تمام دنیا کے ہم ستائے کھڑے ہوئے ہیں سلام لے لو

اس نعت کو خورشید عالم طالب علم درجہ ثالثہ جامعہ نصرۃ الاسلام نے بڑے خوبصورت انداز میں پیش کیا۔

اس کے بعد حافظ عمر فواد: طالب علم جامعہ نصرۃ الاسلام، درجہ رابعہ نے نظم

"چراغ زندگی ہوگا فروزاں ہم نہیں ہونگے
چمن میں آئے گی فصل بہاراں ہم نہیں ہونگے"

بڑے دلفریب انداز میں پڑھا اور حاضرین سے خوب داد سمیٹی۔

چند اہم اعلانات:

اس کے بعد اسٹیج سکرٹری جناب حقانی صاحب نے چند اعلانات کیے۔

☆..... جامعہ کی استانیوں نے سال بھر بے حد محنت سے طالبات کی تعلیم وتربیت کا خیال رکھا جس کی وجہ سے جامعہ کی انتظامیہ نے ان کی حوصلہ افضائی کے لیے فی استانی دو ہزار روپے نقد دینے کا اعلان کیا ہے جو ان کو بطور انعام دیا جائے گا۔

☆........ بنات کی ناظمہ کی بہترین کارکردگی پر انہیں دو ہزار روپے کے ساتھ ایک عدد تفسیر عثمانی بھی دی جائے گی۔

☆........ وفاق المدارس گلگت بلتستان میں پوزیشن ہولڈر طالبات/صوبائی پوزیشن ہولڈر

ان طالبات کو بھی ایک رنگین اعلیٰ مجلد کی تفسیر عثمانی انعام کے طور پر دی جارہی ہے۔

۱۔ بنت عبدالہادی

۲۔ بنت شفیع اللہ

۳۔ بنت امین شاہ

۴۔ بنت مستبر خان

☆..... جامعہ کی کچھ طالبات موسٹ ریگولر ہیں یعنی سال بھر انہوں نے کوئی غیر حاضری نہیں کی ان کو بھی خصوصی انعامات سے نوازا جارہا ہے۔

☆.... جامعہ کے محافظ حاجی مرجان صاحب نے انتہائی جانفشانی سے سال بھر جامعہ کی خدمت کی ہے اس عوض میں انہیں جامعہ کی طرف سے ایک بہترین سوٹ کا انعام پیش کیا جارہا ہے۔

☆......۲۵ رجب سے ۲۵ شعبان تک جامعہ عائشہ صدیقہ میں طالبات کے لیے تجوید القرآن کا کورس کرایا جارہا ہے، خواہش مند طالبات شرکت کریں۔

☆.....۱۵ شعبان سے جامعہ نصرۃ الاسلام میں مولانا اسحاق کوہستانی صاحب دورہ صرف ونحو کرائیں گے، خواہش مند طلبہ دفتر تعلیمات سے رجوع کریں۔

مذکورہ اعلانات کے بعد تقریب پھر معمول کے مطابق جاری رہی۔

☆..... رئیس الجامعہ کی خصوصی خواہش پر دارالعلوم دیوبند کے فاضل حضرت مولانا حبیب اللہ صاحب نے حاضرین مجلس سے خصوصی خطاب فرمایا۔

☆.... شعبہ حفظ سے حفظ قرآن کی دولت سے مالا مال ہونے والے پانچ طلبہ نے مہمانوں کے سامنے اجتماعی تلاوت قرآن اپنے استاد جناب قاری عبدالعظیم کی نگرانی میں پیش کی۔ سفید لباس میں ملبوس یہ کم سن بچے لحن داؤدی میں تلاوت قرآن فرمارہے تھے تو حاضرین مجلس عش عش کیے بغیر رہ نہ سکے۔

☆...... اہل سنت بوائے اسکاوٹ نے بھی پوری پلاٹون کے ساتھ حفاظتی خدمات انجام دیں۔

☆.... جامعہ عائشہ صدیقہ للبنات سے اس سال اکیس طالبات سند فراغت حاصل کررہی ہیں جن کی خمار بندی اور پر

بنات کے مدرسے میں ہورہی ہے۔خمار بندی کے فرائض جامعہ کی معلمات، ناظمہ تعلیمات کے ساتھ ساتھ جامعہ الطاف الرحمان کشروٹ کی پرنسپل وناظمہ، اہلیہ رئیس الجامعہ اور دیگر معزز مہمان خواتین انجام دے رہی ہیں۔

طالبات کے اسماء درج ذیل ہیں۔

۱۔ بنت مولانا قاضی عنایت اللہ صاحب	ضلع دیامر گوہر آباد چلاس
۲۔ بنت بدر جمیل صاحب	ضلع دیامر گوہر آباد گیس، چلاس
۳۔ بنت شیر غیاث صاحب	ضلع گلگت، جگلوٹ ڈموٹ
۴۔ بنت حاجی غیاث صاحب	ضلع گلگت، جگلوٹ چکرکوٹ
۵۔ بنت غلام اکبر صاحب	ضلع غذر، گلمتی
۶۔ بنت جان ولی صاحب	ضلع غذر، گلمتی
۷۔ بنت پروفیسر سید جلال صاحب (اول)	ضلع غذر، اشکومن پھکورا
۸۔ بنت پروفیسر سید جلال صاحب (دوم)	ضلع غذر، اشکومن پھکورا
۹۔ بنت قاری گلزار صاحب	ضلع استور، سٹی استور
۱۰۔ بنت نظیم صاحب	ضلع غذر، ہاتون
۱۱۔ بنت غلام حسین صاحب	ضلع استور، قمری
۱۲۔ بنت عبدالقادر صاحب	ضلع استور، کلشئی
۱۳۔ بنت فراز صاحب	ضلع استور، رٹو
۱۴۔ بنت عطاء محمد صاحب	ضلع استور، گوریکوٹ
۱۵۔ بنت احمد ملوک صاحب	ضلع دیامر، کھنر
۱۶۔ بنت غلام اللہ صاحب	ضلع دیامر، تانگیر
۱۷۔ بنت نقشبر صاحب	ضلع دیامر، داریل
۱۸۔ بنت محمد غازی صاحب	ضلع گلگت چکرکوٹ
۱۹۔ بنت قاسم صاحب	ضلع گلگت سکارکوئی
۲۰۔ بنت صابر خان صاحب	ضلع غذر، ہموچل

۲۱۔ بنت شیر ولی صاحب　　　ضلع گلگت سکارکوئی

☆.....درجہ حفظ سے ایک طالبہ خولہ بنت خان بہادر نے قرآن پاک مکمل کیا۔

☆.....درجہ حفظ بنین سے فارغ ہونے والے طلبہ کرام:

۱۔ حافظ محمد رضا ولد شرین خان　　　نلتر ضلع گلگت

۲۔ محمد اسماعیل بن وصیل خان　　　مناور گلگت

۳۔ سرتاج عالم بن محمد نبی　　　چلاس ضلع دیامر

۴۔ عبید الرحمان بن شیر محمد　　　چلاس ضلع دیامر

۵۔ صدیر احمد بن مبارک شاہ　　　نپورہ بسین گلگت

۶۔ عدنان احمد بن محمود　　　برگل گلگت

☆.....دارالعلوم دیوبند کے فاضل حضرت مولانا حبیب اللہ صاحب نے رئیس الجامعہ کی خصوصی گزارش پر خطاب فرمایا جب کہ رئیس الجامعہ مولانا قاضی نثار احمد نے تمام شرکاء اور مہمانوں کا خصوصی شکریہ ادا کیا اور پروگرام کی تفصیلات بھی بتا دی۔

☆.....مولانا عبدالقدوس چلاسی نے بخاری شریف کا آخری درس دیا اور ایک رقت آمیز دعا کروائی۔ مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے سینکڑوں افراد نے شرکت کی۔ صحافی برادری، وکلاء اور دیگر مہمانوں نے بھی شرکت کی اور منتظمین جامعہ کی کاوشوں کو خوب سراہا۔ آخر میں مہمانوں کی خدمت میں ایک پرتکلف کھانے کا اہتمام کیا گیا۔ جامعہ کے اساتذہ اور طلبہ کرام نے اپنے معزز مہمانوں کو خود کھڑے ہو کر کھانا کھلایا۔ جامعہ کی ذیلی شاخ جامعہ عائشہ صدیقہ للبنات میں بھی ہزاروں خواتین نے شرکت کی اور ان کے لیے بھی کھانے کا اہتمام کیا گیا۔

اخبار وسر گرمیاں

جامعہ نصرۃُ الاسلام

کے شب وروز

انچارج: مولانا حبیب اللہ دیدار　　　　تزئین وترتیب: ابن شہزاد حقانی

....

30 جون 2013ء/ رئیس الجامعہ کا دورہ دوحہ/ قطر

وزارت اوقاف وشئون اسلامی کے مرکز اسلامی شیخ عبداللہ بن زید آل محمود (قطر) کی طرف سے خصوصی دعوت پر رئیس الجامعہ حضرت مولانا قاضی نثار احمد دوحہ قطر تشریف لے گئے۔ رئیس الجامعہ کو حکومت قطر نے وزیر مملکت کا پروٹوکول دیا اور انہیں فائیو سٹار ہوٹل میں ٹھہرایا۔ رئیس الجامعہ نے قطر میں مختلف مقامات میں اہم خطبے دیے۔

۳۰ جون ۲۰۱۳ء کو بعد نماز عشاء جامع مسجد (۷۸۷) مساکن بلدیہ ابو ہامور میں استقبال رمضان، یکم جولائی ۲۰۱۳ء کو عشاء بعد نماز جامع مسجد (۱۵۱) فریج عبدالعزیز میں رمضان المبارک اور ہماری ذمہ داریاں، ۳ جولائی ۲۰۱۳ء کو بعد نماز عشاء جامع مسجد مساکن بروہ مسیمر میں رمضان عبادات کا موسم بہار، ۵ جولائی ۲۰۱۳ء کو بعد نماز جمعہ جامعہ البلدیہ (۹۹۴) ابو ہامور میں رمضان اخلاص اور تقوی کا مہینہ اور ۶ جولائی ۲۰۱۳ء کو بعد نماز عصر جامع مسجد (۷۰۷) نجمہ میں کیا اب بھی تبدیلی کا وقت نہیں آیا ہے'' کے موضوعات پر تفصیلی خطبے دیے جس میں پاکستان، انڈیا، بنگلہ دیش اور قطر سے تعلق رکھنے والے مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد نے شرکت کی۔ قطر دوحہ میں مفتی شفیع الرحمان امام وخطیب جامع مسجد 499 نے خصوصی میزبانی کے فرائض انجام دیے۔ وزارت قطر کے اہم عہدہ داروں سے بھی ملاقاتیں ہوئی۔

2013 اور 2014ء/ جامعہ نصرۃ الاسلام میں نئے ملازمین کی تقرریاں

تعلیمی سال 2013 اور 2014ء کو جامعہ نصرۃ الاسلام اور جامعہ کی ذیلی شاخ جامعہ عائشہ صدیقہ للبنات میں کئی نئے ملازمین کی تقرریاں عمل میں لائی گئی۔ جن میں جامعہ کے ناظم دارالاقامہ، مولانا اسحاق کوہستانی صاحب، بعد ازیں ناظم دارالاقامہ وتربیت مولانا مفتی سید عالم صاحب، مولانا اسلام الرحمان صاحب (سکول وخوشخطی) قاری بدر صاحب، شعبہ حفظ، قاری محمد افضل شعبہ حفظ، مولانا کمیل صاحب شعبہ کتب، مولانا عبدالستار صاحب (بطور سینئر استاد) شعبہ کتب، قاری حفیظ اللہ صاحب (شعبہ آن لائن فری قرآنک ٹیچنگ)، بنت جہانگیر صاحبہ (جامعہ عائشہ صدیقہ شعبہ کتب)، بنت محمد غیاث صاحبہ (جامعہ عائشہ صدیقہ شعبہ کتب)، بنت محمد شریف صاحبہ (جامعہ عائشہ صدیقہ شعبہ کتب) اور بنت یاسین صاحبہ کو جامعہ عائشہ صدیقہ میں ناظمہ تعلیم مقرر کیا گیا ہے۔

اور تین باورچی جن میں مصر خان، احمد خان اور لال خان شامل ہیں جبکہ ایک باورچی پرانا ہے۔

2013 اور 2014ء/ جامعہ نصرۃ الاسلام میں ترقیاتی کام

سال 2013ء و 2014ء میں جامعہ نصرۃ الاسلام میں بہت سارے ترقیاتی کام مکمل کر لیے گئے اور کافی پراجیکٹ ابھی بھی زیر تعمیر ہیں۔ مکمل شدہ کاموں میں جامعہ عائشہ صدیقہ کے دس باتھ روم، بنات کے بڑے لان کی چاردیواری، دو بڑے گٹر کی تکمیل جبکہ بنین میں تین نئے باتھ روم مکمل کر لیے گئے۔ جامعہ نصرۃ الاسلام کا مکمل رنگ و روغن بھی کیا گیا جبکہ جامعہ کی گاڑیوں کے لیے دو گیراج بھی بنائے گئے۔ جامعہ کے دو رہائشی مکانات کی بیرونی چاردیواریاں مکمل کی گئی جب باقی مکانوں کی چاردیواریوں کا کام جاری ہے۔ جامعہ کے باورچی کے لیے نئے مکان کا کام بھی پایہ تکمیل کو پہنچنے والا ہے۔ شعبہ بنات کا ایک بڑا پروجیکٹ (رہائشی ہاسٹل، مدرسہ بنات) دو سال سے زیر تعمیر ہے جس کی لاگت کروڑوں کی ہے۔ جامعہ کی لائبیریری بھی از سر نو جدید ضرورتوں کو مدنظر رکھ کر بنائی جا رہی ہے جس کا کام چار ماہ سے جاری ہے۔ جہاں اساتذہ کے لیے تحقیق و تدقیق کا وسیع ماحول فراہم کیا جائے گا اور اندرون مدرسہ و بیرون مدرسہ کے قارئین کی سہولتوں کو سامنے رکھتے ہوئے لائبیریری کا کام جاری ہے۔ جامعہ کے مرکزی گیٹ کے ساتھ جامعہ کا کینٹین اور مکتبہ و جنرل اسٹور کا تعمیراتی کام بھی جاری ہے۔ پانی کی قلت کی وجہ سے جامعہ میں ایک بہت بڑا کنواں کھدوا کر تیار کیا گیا ہے جس کی لاگت لاکھوں میں ہے۔ اب اس پانی کو سٹور کرنے کے لیے ایک بڑی ٹینکی کی تعمیر زیر غور ہے جو عنقریب بنائی جائے گی۔ جامعہ کے زیر انتظام گلگت سے بیس میل کی مسافت پر شکیوٹ کے مقام پر ایک بہت بڑی جامع مسجد کا کام جاری ہے۔ جامعہ مسجد کے ساتھ دو آر سی سی کمرے بھی بنائے گئے ہیں جبکہ دس ٹائلٹ بھی بنائے گئے ہیں۔ شکیوٹ کی مسجد ابھی مکمل نہیں ہوئی ہے۔ بہت جلد وہاں مدرسہ کا اجراء بھی کیا جائے گا۔ جس کے لیے مزید تعمیر کی شدید ضرورت ہے۔ پانی کے لیے ایک بڑا کنواں بھی بنوایا جا رہا ہے۔ دریا سے پانی لانے کا منصوبہ بھی زیر غور ہے جبکہ دیگر تعلیمی و تربیتی منصوبے بھی جلد ہی شروع کیے جائیں گے۔ جامعہ کا گیٹ بھی نیا بنوایا گیا ہے۔ اس وقت جامعہ میں چار سو طالبات اور دو سو طلبہ زیر تعلیم ہیں۔ طلبہ و طالبات کی تعلیم و تربیت کے ساتھ قیام و طعام کا بندوبست بھی جامعہ کرتا ہے، شعبہ حفظ، شعبہ کتب کے ساتھ مڈل تک تعلیم بھی دی جاتی ہے۔ جامعہ کے وسیع گراونڈ میں طلبہ کے لیے فٹ بال و والی بال اور کرکٹ کے ذریعے ورزش کرنے کی سہولت بھی فراہم کی گئی ہے۔ فٹ بال، والی بال، نیٹ اور دیگر کھیلوں کے سامان کا بندوبست بھی جامعہ کرتا ہے۔ طلبہ کے لیے آئی ٹی کلاسز اور تعلیم بالغاں شروع کرنے کے لیے بھی کوششیں جاری ہیں۔

28 جولائی 2013ء/ مفتی شفیع اور عمائدین استور کی دعوت پر رئیس الجامعہ کا دورہ استور

مفتی محمد شفیع صاحب اور ضلع استور کے علماء و عمائدین کی دعوت پر رئیس الجامعہ نے علماء کرام کے ایک وفد کے ساتھ استور کا دورہ کیا۔ ہرچو میں ایک مدرسہ کا افتتاح کیا گیا اور وہاں تعلیمی سال کا آغاز کیا گیا۔ رئیس الجامعہ، مفتی شفیع استوری اور مولانا عبدالسمیع صاحب نے بہت تفصیلی گفتگو کی۔ ہرچو اور اس کے مضافات کے تمام علماء اور عوام نے اس پرگرام میں شرکت کی۔ مولانا صاحب الحق اور دیگر علماء کرام اور نوجوانوں نے ایک بڑی تعداد میں ڈوئیاں استور کے قریب آکر قافلے کا بھرپور استقبال کیا۔ اس قافلے میں رئیس الجامعہ کے ساتھ مولانا عبدالسمیع، مولانا منیر، امیر جان حقانی، مولانا حماد، استاد جامعہ نصرۃ الاسلام، مولانا عنایت اللہ استوری شامل تھے جبکہ جگلوٹ سے علماء و قراء کی ایک بڑی تعداد بھی شامل سفر ہوئی جن میں مولانا

مفتی شفیع صاحب، مولانا معاذ صاحب، مولانا سید محمد صاحب، مولانا اکرام صاحب، قاری ابراہیم صاحب، قاری عبدالشکور صاحب اور دیگر معززین جگلوٹ تھے۔ ہرچو پرگرام میں سٹی استور سے قاری گلزار صاحب اپنے رفقاء کے ساتھ شریک ہوئے۔ بعد پرگرام علماء کا یہ وفد سیدھا راما پہنچا، جہاں راما کے ریسٹ ہاؤس میں قیام کیا گیا۔ رات کو رئیس الجامعہ نے علماء کرام سے ایک انتہائی اہم نشست کی جس میں بہت تفصیل سے چند اہم باتیں زیر غور رہی۔ اگلے دن راما جھیل کی سیر کی گئی، رئیس الجامعہ اور دیگر علماء نے علاقائی کھیل (بل بٹ) کھیلا، پورا وفد راما کی خوبصورتی سے متاثر ہوا۔ قدرتی مناظر دیکھ کر محفوظ ہوئے۔ نانگا پربت کا ایک حصہ راما جھیل سے ملتا ہے۔ جھیل کی سیاحت کے بعد علماء کا یہ قافلہ سیدھا مرکزی جامع مسجد استور پہنچا۔ جہاں قاری گلزار صاحب نے ایک عظیم الشان اجتماع کا انعقاد کیا تھا۔ رئیس الجامعہ، مفتی شفیع صاحب اور مولانا معاذ صاحب کا تفصیلی بیان ہوا۔ قاری گلزار صاحب خطیب مرکزی جامع مسجد استور نے علماء کرام کا شکریہ ادا کیا یوں یہ وفد ایک کثیر تعداد گاڑیوں کے جھرمٹ میں گلگت کی طرف روانہ ہوا۔ استور ہرچو سے رئیس الجامعہ نے استقبالی قافلے کے تمام علماء و نوجوانوں کو واپس کردیا جو موٹر سائیکلوں اور گاڑیوں سے اپنے مہمانوں کو رخصت کرنے کے لیے دور دور سے تشریف لائے تھے۔ اور دشکن استور سے مقامی پولیس کی گاڑیوں کو بھی واپس کردیا۔ یوں یہ وفد سیدھا جگلوٹ پہنچا، پیدان کی مسجد میں نماز ظہر ادا کی گئی۔ دارالعلوم جگلوٹ کے زیر انتظام پیدان میں چلنے والی دارلعلوم میں علماء کرام کی مختصر نشست ہوئی اور وہاں سے قافلہ کے احباب منتشر ہوئے اور رئیس الجامعہ کا وفد سیکورٹی کے ساتھ گلگت پہنچ گیا۔

2 اگست 2013 / رئیس الجامعہ کا دورہ غذر

رئیس الجامعہ مولانا قاضی نثار احمد نے علماء کرام کے ایک بڑے وفد سے ضلع غذر اشکومن کا ایک تفصیلی دورہ کیا۔ رئیس الجامعہ کے ساتھ کئی مہمان تھے، جن میں مولانا محمد شفیع استوری (حال قطر دوحہ) مولانا منیر صاحب، مولانا محمد عتیق صاحب، استاد جامعہ ضیاء العلوم لاہور، امیر جان حقانی ایڈیٹر سہ ماہی نصرۃ الاسلام، عزیزم منیب الرحمان مشامل تھے۔ وفد کے اراکین میں ۲۰ افراد شامل تھے جن میں سیورٹی پر ماموراہلکار بھی تھے۔ وفد نے جامع مسجد چٹورکھنڈ نماز مغرب ادا کی اور رئیس الجامعہ نے مختصر خطاب کیا۔ اس کے متصل بعد وفد ایمت میں مولانا نادرشاہ کے گھر پہنچا، جہاں عوام کے جم غفیر نے اراکین وفد کا استقبال کیا۔ روایتی کھانوں اور پھلوں سے مہمانوں کی ضیافت کی گئی۔ رات کو علماء کرام کے مابین مختلف موضوعات پر نرم وگرم مباحث ہوئے۔ مولانا عتیق صاحب نے بحث میں سب سے زیادہ حصہ لیا جبکہ دوسری جانب دیگر تمام علماء تھے، ایک موقع پر رئیس الجامعہ نے تلخ لہجے میں بات کی اور جلال میں آگئے جبکہ مولانا عتیق صاحب اپنے دلائل سے ہٹنے کے لیے تیار نہیں تھے۔ ایڈیٹر سہ ماہی نصرۃ الاسلام بھی مروۃ مولانا عتیق صاحب کے حمایتی بن گئے۔ یوں دلیل و برھان پر مبنی یہ نشست رات گئے تک جاری رہی۔ سویرے ایمت کی مرکزی مسجد میں ایک عظیم الشان جلسہ کا انعقاد کیا گیا جہاں مفتی شفیع استوری اور رئیس الجامعہ کا خطاب ہوا۔ مولانا عتیق الرحمان نے بھی رئیس الجامعہ کے حکم پر توحید وسنت پر ایک مفصل خطاب کیا۔ اس مسجد کی بنیاد قاضی عبدالرزاقؒ نے چالیس سال پہلے رکھا تھا۔ جلسہ کے بعد عوام کے ایک جم غفیر نے جلوس کی شکل میں مہمان علماء کو ایمت میں واقع عیدگاہ پہنچایا۔ ایک بندہ خدا راجہ مظفر الدین ولد سلطان مراد نے بائیس کنال زمین مسلمانوں کے اجتماعی عیدگاہ کے لیے وقف کیا ہے اور مولانا نادرشاہ کو اس کا متولی بنایا ہے۔ مولانا نادرشاہ نے اس عیدگاہ کے افتتاح کے لیے رئیس الجامعہ کو دعوت دی۔ ان کی دعوت پر رئیس الجامعہ نے علماء کے ایک وفد کے ساتھ ضلع غذر اشکومن کا دورہ کیا اور اس عیدگاہ کا

سنگ بنیاد اپنے ید مبارک سے رکھ دی اور دیگر علماء کو بھی اس سنگ بنیاد میں شامل کیا۔ مختصر تقریر کے بعد ایک رقت آمیز دعا کروائی اور عید گاہ سے متصل برلب دریا ایک مسجد کا بھی افتتاح کیا اور دعا کروائی۔ عید گاہ و مسجد کے عمل سنگ بنیاد دی میں اپنے ہاتھوں سے کدال چلائی اور بیلچہ سے مٹی نکالی۔ اس کار خیر میں دیگر علماء اور معززین علاقہ کو بھی باری باری دعوت دے کر شاملِ افتتاح کیا۔ اس کے بعد قافلہ اشکومن مومن آباد میں واقع چشمہ والی مسجد پہنچا۔ جہاں دعوت عام کا انتظام تھا۔ لوگوں کی ایک بڑی تعداد جمع تھی۔ وہاں رئیس الجامعہ اور دیگر علماء نے معززین علاقہ سے کچھ اہم امور پر گفت وشنید کی۔ تمام شرکاء چشمہ صافی کے مناظر سے محظوظ ہوئے۔ وہاں سے وفد سیدھا چٹور کھنڈ پہنچ گیا۔ مسجد اور مدرسہ کے درمیان کچھ اہم امور پر بات ہوئی اور مدرسہ حدیقۃ الاسلام میں معززین علاقہ کے ساتھ ایک لمبی میٹنگ منعقد ہوئی۔ مولانا نادر شاہ مہتمم مدرسہ حدیقۃ الاسلام نے ٹی پارٹی کا انتظام کیا۔ یہ سلسلہ عصر کے قریب تک چلتا رہا۔ اس تمام سفر کا میزبانی مولانا نادر شاہ صاحب اور اس کی ٹیم نے فرمائی۔ گلمت مولانا مولانا غفران صاحب کی مسجد میں نماز عصر ادا کی گئی اور چائے نوشی کے بعد قافلہ بعافیت گلگت پہنچا۔ مولانا نادر شاہ نے علاقائی روایات کو برقرار رکھتے ہوئے رئیس الجامعہ کو ایک علاقائی خوبصورت چغہ پہنایا۔

9 جون 2013 / مدیر سہ ماہی نصرۃ الاسلام کا سیرت کانفرنس میں شرکت

اسماعیلی ریجنل کونسل گلگت بلتستان کی طرف سے سرینہ ہوٹل گلگت میں سالانہ سیرت کانفرنس کا انعقاد کیا گیا جس میں مدیر سہ ماہی نصرۃ الاسلام ابن شہزاد حقانی نے اہل سنت والجماعت گلگت بلتستان کی نمائندگی کرتے ہوئے ''سیرت رسول کی روشنی میں سماجی انصاف اور عمدہ حکمرانی'' کے عنوان سے ایک تفصیلی مقالہ پیش کیا۔ اس مقالے کو تمام سامعین اور منتظمین کی طرف سے خوب سراہا گیا۔ کانفرنس میں اہل تشیع اور اسماعیلی برادری کے ایک ایک مذہبی اسکالر نے مقالے پیش کیے۔ کانفرنس سپیکر اسمبلی جناب وزیر بیگ کی صدارت میں منعقد ہوئی جس میں اراکان اسمبلی کے علاوہ لوکل گورنمنٹ کے اعلیٰ عہدہ داروں نے بھی شرکت کی۔ صحافی، وکلاء اور گلگت بلتستان کے تمام شعراء نے بھی سیرت کانفرنس میں شرکت کی۔

11-10-9 جون 2013 / جامعہ نصرۃ الاسلام کے گروانڈ میں تین روزہ تبلیغی اجتماع

11-10-9 جون 2013 / جامعہ نصرۃ الاسلام کے گروانڈ میں تین روزہ تبلیغی اجتماع منعقد ہوا۔ انعقاد اجتماع کے لیے دو ماہ پہلے سے تیاریاں کی گئی۔ اجتماع کی کامیابی کے لیے تبلیغی علماء کی درخواست پر رئیس الجامعہ کے حکم پر جامعہ نصرۃ الاسلام میں خصوصی دعاؤں اور سورہ یاسین کے ختم کا اہتمام کیا گیا۔ جامعہ نصرۃ الاسلام کے طلبہ کا رہائشی پورشن تین دن تک کے لیے مکمل طور پر مہمان تبلیغی احباب کے حوالہ کیا گیا۔ رئیس الجامعہ بھی مسلسل تین دن تک جامعہ میں حاضر رہے۔ دفتر اہتمام میں پورے گلگت بلتستان سے آئے ہوئے علماء کرام کا تانتا بندھتا رہا۔ ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رہا۔ ۱۰ جون کو رئیس الجامعہ نے کچھ جید علمائے کرام کے ساتھ عالمی مبلغ مولانا طارق جمیل صاحب کے ساتھ ایک ملاقات کی۔ انہیں گلگت آمد پر مبارک باد دی۔ گلگت بلتستان کی سیاسی، مذہبی اور دینی صورت حال ان کے سامنے رکھی۔ اور صاف الفاظ میں تمام اہل سنت علماء کا پیغام پہنچایا کہ مولانا طارق جمیل کی حالیہ ملاقاتیں بالخصوص امام بارگاہ میں تقریریں اور ملاقاتیں کو پورے گلگت بلتستان کے جید علماء وشیوخ نے تحسین کی نگاہ سے نہیں دیکھا ہے۔ رئیس الجامعہ نے جامعہ نصرۃ الاسلام کا ترجمان رسالہ سہ ماہی نصرۃ الاسلام بھی مولانا طارق جمیل صاحب کو پیش کیا۔ رئیس الجامعہ نے آخری دعا میں بھی خصوصی شرکت کی۔

11 جون 2013ء/ جامعہ نصرۃ الاسلام میں علماء کرام کی ایک اہم نشست

اختیام اجتماع کے بعد جامعہ نصرۃ الاسلام کے دفتر اہتمام میں گلگت بلتستان کے طول وعرض سے تشریف لائے ہوئے علماء کرام کی ایک اہم میٹنگ رئیس الجامعہ کی زیر صدارت منعقد ہوئی۔ اس میٹنگ میں گلگت بلتستان کی تمام سیاسی و مذہبی اور دینی وعلمی صورت حال کی جائزہ لیا گیا۔ گلگت بلتستان کے تمام اضلاع اور کوہستان سے بھی علماء کرام میٹنگ میں شریک تھے۔ رئیس الجامعہ قاضی نثار احمد، مولانا عبدالسمیع صدر جماعت اسلامی، حاجی امیر جان سابق ممبر لیجسلیٹیو اسمبلی، مولانا معاذ صاحب، مہتمم دارالعلوم تعلیم القرآن جگلوٹ، مولانا عبدالقیوم تانگیر نے علماء کرام کی نشست سے تفصیلی خطاب کیا۔ جبکہ دیگر علماء کرام نے مختصراً اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ گلگت بلتستان کے تلخ وشیریں پہلو تفصیل سے علماء کے سامنے رکھے گئے۔ کچھ اہم امور پر اتفاق رائے ہوا۔ تنظیم اہل سنت والجماعت کی طرف سے ایک اخبار کی اشاعت کو تمام علماء نے ضروری گردانا تاکہ اہل سنت کے مسائل درست معنوں میں ارباب اقتدار کے سامنے اجاگر کیے جاسکیں۔ مولانا معاذ صاحب نے علمی حوالے سے پیش رفت پر زور دیا۔ رئیس الجامعہ نے علماء کی مجلس میں مولانا عبدالقیوم تانگیری کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ ہم آپ کی خدمت کرنے کے لیے تیار ہیں، آپ جامعہ نصرۃ الاسلام میں آکر علمی و تحقیقی کام کے حوالے سے ذمہ داریاں سنبھالیں۔ علماء کرام نے رئیس الجامعہ کی اس پیشکش کو تحسین کی نگاہوں سے دیکھا۔

20 اپریل 2013ء/ مدیر سہ ماہی نصرۃ الاسلام کا قراقرم یونیورسٹی میں تقریری مقابلے میں حصول شرف

مدیر سہ ماہی نصرۃ الاسلام نے قراقرام انٹرنیشنل یونیورسٹی میں منعقدہ دوروزہ تقریری مقابلے میں شرف حاصل کیا۔۔ یہ پروگرام 20,19 اپریل کو قراقرم انٹرنیشنل یونیورسٹی میں AKRSP اور PEN(Publishing Extention Network) کے اشتراک اور یونیورسٹی کے تعاون سے منعقد ہوا۔ منتظمین کی طرف سے ''اٹھو کہ بند کریں نفرتوں کے در سارے'' کے عنوان پر گلگت بلتستان کے تمام شعراء اور خطباء کو دعوت دی گئی تھی کہ وہ اپنا کلام اور تقاریر (Speachs) پیش کریں۔ یہ مقابلہ پورے گلگت بلتستان لیول کی تھی جس میں دیامر سے سہ ماہی نصرۃ الاسلام کے مدیر نے نمائندگی کرتے ہوئے شرف حاصل کیا۔ انہوں نے ڈاکٹر پروفیسر سہیل امام صاحب سے اعزازی شیلڈ اور نقد انعام وصول کیا۔

نومبر 2013ء/ جامعہ نصرۃ الاسلام میں اجتماعی قربانیوں کا انعقاد

گزشتہ سال کی طرح امسال بھی جامعہ نصرۃ الاسلام میں مسلمانوں کی سہولت کے لیے اجتماعی قربانیوں کا اہتمام کیا گیا۔ جس میں کافی لوگوں نے حصہ لیا۔ اس کے علاوہ خبیب فاؤنڈیشن اور امہ ویلفیئر نے بھی نے جامعہ نصرۃ الاسلام میں اجتماعی قربانیوں کا اہتمام کیا۔ بڑے پیمانے پر غریبوں میں گوشت تقسیم کیا گیا۔

13 نومبر 2013ء/ اسماعیلی ریجنل کونسل کے وفد کا جامعہ آمد

13 نومبر 2013ء کو اسماعیلی ریجنل کونسل گلگت بلتستان کا ایک اعلی سطحی وفد نے جامعہ نصرۃ الاسلام میں رئیس الجامعہ اور تنظیم اہل سنت والجماعت گلگت بلتستان وکوہستان کے دیگر عہدہ داروں سے گلگت بلتستان کی سیاسی و مذہبی صورت حال کے حوالے ایک تفصیلی ملاقات کی۔ رئیس الجامعہ نے کہا کہ ہم نے ہمیشہ امن کے لیئے کوششیں کی ہیں، گلگت بلتستان میں قیام امن

کے لیے ہم سے زیادہ قربانیں کسی نے نہیں دیے۔ ہم نے امن معاہدہ پر عمل درآمد کی بابت ہر فورم میں کی ہے۔ انتظامیہ اس بات کی گواہ ہے۔ اسماعیلی ریجنل کونسل کے موجودہ اور سابقہ ذمہ داران بھی شاہد ہے کہ ہم نے قیام امن کے لیے ہر جائز تعاون کیا ہے۔

ان خیالات کا اظہار رئیس الجامعہ حضرت مولانا قاضی نثار احمد نے اسماعیلی ریجنل کونسل کے ایک اعلیٰ رکنی وفد کے ساتھ ملاقات کے دوران کیا۔ رئیس الجامعہ نے وفد کے اراکین کو جامعہ نصرۃ الاسلام میں خوش آمدید کہا اور انہیں باور کروایا کہ ہم سب کو قیام امن کے لیے عملی کردار ادا کرنا ہوگا۔ زبانی کلامی باتوں سے کوئی مثبت نتیجہ نکلنے والا نہیں، آپ حضرات سے گزارش ہے کہ آپ اپنے کردار کو مزید مضبوط کریں مگر آپ مصلحت سے کام لینے کے بجائے حقیقت پسندی کا مظاہرہ کریں۔ امیر اہل سنت نے مزید کہا کہ جہاں جو ظلم اور ستم کرتا ہے اس کی درست نشاندہی کی جانی چاہیے۔ یہ بات میرے علم میں ہے کہ کئی علاقے ایسے ہیں کہ جہاں اسماعیلی برادری کے ساتھ زیادتی ہو رہی ہے۔ آپ بھر پور آواز اٹھائیں ہم آپ کے ساتھ تعاون کریں گے۔ انہوں نے مزید کہا کہ بروز جمعہ سانحہ راولپنڈی پر ہم نے ملک گیر ہڑتال اور احتجاج کی کال دی ہے، اس میں ہم آپ سے بھی تعاون کی اپیل کرتے ہیں۔ اسماعیلی ریجنل کونسل گلگت بلتستان کے وفد نے امیر اہل سنت کے باتوں سے اتفاق کرتے ہوئے تعاون کی یقین دھانی کروائی۔ وفد کے شرکاء میں الواعظ فدا علی ایثار ہنزائی، کرنل عبید اللہ بیگ، ایمان شاہ اور دیگر احباب تھے جبکہ رئیس الجامعہ کے ساتھ محمد نواز جنرل سیکڑی تنظیم اہل سنت والجماعت، مولانا منیر صاحب سینئر رہنماء تنظیم اہل سنت والجماعت، مولانا مفتی غلام مصطفیٰ صاحب اور دیگر اساتذہ جامعہ تھے۔ یہ خوشگوار ملاقات جامعہ نصرۃ الاسلام عید گاہ روڈ گلگت کے دفتر اہتمام میں ہوئی۔

رئیس الجامعہ وامیر اہل سنت نے مزید کہا کہ یہ بات سب پر عیاں ہے کہ تشدد کا راستہ کس نے اپنایا ہے۔ میرٹ کی پامالی اور سرکاری آفیسران کو ڈرا دھمکا کر کون ناجائز کام کرواتا ہے۔ اور کچھ ایریا ز کو نو گو ایریا ز بنایا گیا ہے۔ دہشگردوں اور قاتلوں کو انتظامیہ کی طرف سے کھلی چھوٹ دی جاتی ہے۔ 2005ء کے امن معاہدہ اور ضابطہ اخلاق کی دھجیاں اڑائی جاتی ہیں۔ ہم انتظامیہ سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ امن معاہدے پر عمل کروائیں اور آپ بھی، مسجد کمیٹی والے اور پارلیمانی امن کمیٹی والوں کو بھی امن معادہے پر عمل درآمد کروانے کے لیے اپنا کردار ادا کرنا چاہیے۔ تاکہ گلگت بلتستان کی معاشرتی وسماجی زندگی برباد نہ ہو۔ دھشت گردی نہ ہو۔ میرٹ کی پامالی نہ ہو اور عوام سکھ کا سانس لیں۔ رئیس الجامعہ نے وفد کا بھر پور شکریہ ادا کیا۔

13 نومبر 2013ء/ مفتی غلام مصطفیٰ صاحب کی جامعہ آمد

لاہور میں مقیم گلگت بلتستان کے معروف عالم دین ومفتی جامعہ نصرۃ الاسلام میں تشریف لائے۔ مدرسہ کا دورہ کیا، اساتذہ سے ملاقاتیں کی۔ رئیس الجامعہ اور ایڈیٹر سہ ماہی نصرۃ الاسلام سے حالات حاضرہ اور علمی موضوعات اور گلگت بلتستان میں دعوت ارشاد سے متعلق گفتگو کی۔ انہوں نے جامعہ کی کوششوں کو سراہا اور تحسین کی نگاہ سے دیکھا۔ یاد رہے مفتی غلام مصطفیٰ جامعہ اشرفیہ لاہور میں افتاء کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔

14 نومبر 2013ء/ مسجد بورڈ کے وفد کی جامعہ نصرۃ الاسلام آمد

اہلسنت مسجد بورڈ کے وفد نے جامعہ نصرۃ الاسلام میں رئیس الجامعہ اور تنظیم اہل سنت والجماعت کی مرکزی قیادت سے

ملاقات کی۔ وفد کے ممبران میں راجہ نثار ولی، جعفر اللہ، ڈی سی حسن، متولی، مولانا مقصود، مولانا نثار، عبدالواحد اور منظور شامل تھے۔ رئیس الجامعہ کے سامنے امن وامان کے حوالے سے اپنی کوششوں کا تذکرہ کیا اور رئیس الجامعہ سے گزارش کی کہ امن کے لیے مزید کوششیں تیز کریں۔ وفد نے رئیس الجامعہ کو یقین دہانی کرائی کہ انتظامیہ اور قراقرام یونیورسٹی نے کسی بھی قسم کا متنازعہ پروگرام کے انعقاد کو ناقابل انعقاد بنانے کا وعدہ کیا ہے۔ رئیس الجامعہ نے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ انتظامیہ اور قراقرام یونیورسٹی کی سنڈیکیٹ کو چاہیے کہ ایسے پروگراموں کو سختی سے روکے جن کی وجہ سے انسانی جانوں کا ضیاع ہوتا ہے اور نفرتیں پھیلتی ہیں۔ تنظیم اہل سنت کے ذمہ داروں میں مولانا منیر صاحب، جنرل سیکرٹری نواز اور دیگر شامل تھے۔ اہل سنت والجماعت کے عطاء اللہ ثاقب اور ساتھی بھی شامل گفتگو تھے۔ رئیس الجامعہ نے تازہ پھلوں کے ساتھ مہمانوں کی ضیافت کی

17 نومبر 2013ء/ سانحہ تعلیم القرآن پر رئیس الجامعہ کا اظہار مذمت

17 نومبر 2013ء کو سانحہ تعلیم القرآن راولپنڈی پر رئیس الجامعہ نے ایک تفصیلی بیان لوکل اور ملکی اخبارات کو جاری کیا۔ انہوں نے کہا کہ جامعہ تعلیم القرآن کے معصوم طلبہ اور عام شہریوں کے قتل عام کے خلاف چیف جسٹس آف پاکستان کو فوری طور پر سوموٹو ایکشن لینا چاہیے۔ پنجاب حکومت نے جو جوڈیشل انکوائری کا اعلان کیا ہے وہ سپریم کورٹ آف پاکستان کی زیر نگرانی ہونی چاہیے، ورنہ پہلے بھی ایسے سانحات پر جوڈیشل انکوائری کمیٹیاں بنی ہیں مگر ان کا کوئی مثبت اور خیر خواہ نتیجہ نہیں نکلا۔

جامعہ تعلیم القرآن کے معصوم طلبہ اور نمازیوں کی شہادت حکومت پنجاب کے منہ پر ایک زوردار طمانچہ ہے۔ بار بار جامعہ تعلیم القرآن اور مسجد کمیٹی کی طرف سے انتظامیہ کو خبردار کرنے کے باوجود حکومت مظلوم طلبہ اور عام شہریوں کی حفاظت کرنے سے غفلت برتی رہی۔ جس کی وجہ سے یہ عظیم حادثہ رونما ہوا۔ ان خیالات رئیس الجامعہ مولانا قاضی نثار احمد نے اپنے ایک بیان میں کیا۔ انہوں نے مزید کہا کہ ہم لواحقین سے صبر جمیل کی درخواست کرتے ہیں اور پنجاب حکومت اور فیڈرل حکومت سے باخبر کرتے ہیں کہ جن دہشت گردوں نے معصوم اور بے گناہ طلبہ اور عام شہریوں کو شہید کیا ہے ان کو فوری گرفتار کر کے کیفر کردار تک پہنچائے۔ بصورت دیگر تنظیم اہل سنت والجماعت سخت احتجاج پر مجبور ہو جائے گی۔ رئیس الجامعہ نے مزید کہا کہ ہم راولپنڈی اسلام آباد کے علماء کرام اور وفاق المدارس العربیہ کے مرکزی علماء اور ذمہ داروں کے ساتھ رابطے میں ہیں۔ تاکہ ائندہ کے لیے کوئی لائحہ عمل طے کیا جا سکے۔ ایک سوال کے جواب میں انہوں نے کہا کہ شہداء کے لواحقین کو بھاری معاوضہ ادا کیا جائے۔ یہ انتظامیہ کی غفلت نہیں تو اور کیا ہے کہ مدینہ مارکیٹ کے سامنے سے جلوس گزارنا قانونی طور پر پابندی تھی مگر انتظامیہ کی کھلی چھوٹ سے نہ جلوس نکالا گیا بلکہ اہلسنت کے خلاف نازیبا نعرے لگائے گئے اور نماز جمعہ ادا کرنے والے بے گناہ طلبہ و عام شہریوں کو گولیوں کا نشانہ بنایا گیا۔ کافی سارے لوگوں کو پکڑ کر ذبح کیا گیا اور بہت سارے طلبہ اور عام شہری ابھی تک لاپتہ ہیں۔ انتظامیہ کو چاہیے کہ فوری طور پر ان لاپتہ طلبہ اور شہریوں کو دہشت گردوں سے آزاد کروائے۔ ایک اور سوال کے جواب میں رئیس الجامعہ قاضی نثار احمد نے کہا کہ میڈیا بھی دوغلا کردار ادا کر رہا ہے۔ ابھی تک درست اطلاعات سامنے نہیں لائے گئے۔ اتنا بڑا سانحہ ہوا مگر میڈیا میں صرف ایک پٹی چلائی جاتی ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ پنجاب حکومت، راولپنڈی انتظامیہ اور دہشت گردوں نے مکمل پلاننگ کے تحت یہ کاروائی کی ہے ورنہ اتنی بڑی مارکیٹ جلائی گئی، لوگوں کو روڈ پر ذبح کر دیا گیا اور پورے جامعہ کو آگ لگا کر بھسم کر دیا گیا اور حکومت ٹس سے مس نہیں ہو رہی ہے۔ ہم

قانون نافذ کرنے والے تمام اداروں سے پرزور اپیل کرتے ہیں کہ فوری طور پر دہشت گردوں کو پکڑ کر کٹہرے میں لایا جائے۔ رئیس الجامعہ قاضی نثار احمد نے زور دیکر کہا کہ سپریم کورٹ آف پاکستان کے چیف جسٹس اس ظلم و بربریت کے خلاف فوری طور پر سوموٹو ایکشن لے لیں اور مظلوموں کو انصاف فراہم کریں۔

18 نومبر 2013ء/ رئیس الجامعہ کی وفاق المدارس العربیہ کے اجلاس میں شرکت

سانحہ تعلیم القرآن کے وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی طرف سے راولپنڈی میں جامعہ تعلیم القرآن میں ایک اعلیٰ سطحی اجلاس ہوا۔ جس میں ملک گیر تمام اکابر علماء نے شرکت کی۔ گلگت بلتستان کی نمائندگی رئیس الجامعہ نے کی۔ کابر علماء نے اہل سنت کے ساتھ ہونے والی زیادتیوں کا تفصیلی جائزہ لیا اور حکومت وقت سے مطالبہ کیا کہ ملک گیر امن کے لیے دورس اقدامات کرے اور سانحہ تعلیم القرآن کے مجرموں کو کیفر کردار تک پہنچائے۔

22 دسمبر 2013 / رئیس الجامعہ کا عظمت صحابہ کانفرنس سے خطاب

22 دسمبر 2013 کو گلگت بلتستان کے مرکزی ایریا گلگت کشروٹ عظمت صحابہ واستحکام کانفرنس منعقد ہوئی۔ جس میں اہل سنت والجماعت پاکستان کے مرکزی قیادت نے شرکت کی۔ کانفرنس سے اہل سنت کے مرکزی قائد مولانا محمد احمد لدھیانوی، مولانا مسعود الرحمان نے خصوصی خطاب کیا۔ رئیس الجامعہ مولانا قاضی نثار احمد نے مہمانوں کا استقبال کیا اور انہیں علاقائی چغے اور ٹوپیاں بطور ہدیہ پیش کی اور پہنایا۔ اہل سنت کے مرکزی قائدین نے گلگت بلتستان میں تنظیم اہل سنت والجماعت کی دینی کوششوں کو سراہا اور وحدت کشمیر کے حوالے سے تنظیم اہل سنت کے موقف کی بھرپور حمایت کی۔ اس عظیم الشان کانفرنس سے رئیس الجامعہ نے مختصر خطاب کیا۔ کانفرنس میں جمعیت علمائے اسلام کے امیر مولانا لقمان حکیم صاحب اور دیگر علماء کرام نے شرکت کی۔

3 جنوری 2014 / رئیس الجامعہ کا چلاس اجتماع میں شرکت

رئیس الجامعہ نے ضلع دیامر میں منعقدہ تبلیغی اجتماع میں شرکت کی۔ ان کے ساتھ جامعہ کے استاد مولانا حبیب اللہ دیداری بھی تھے۔ اجتماع میں تبلیغی بزرگوں کے ساتھ ملاقاتیں ہوئی اور ضلع دیامر و کوہستان کے علماء و شیوخ کے ساتھ مختلف امور پر مشاورت ہوئی۔

10 جنوری 2014 / جامعہ میں سہ ماہی امتحانات کا انعقاد

جامعہ میں سہ ماہی امتحانات کا انعقاد کیا گیا۔ جس میں درجہ حفظ اور سکول کتب کا امتحان ہوا۔ شعبہ کتب وسکول کے امتحانات جامعہ کے ہال میں ناظم تعلیمات مولانا خلیل الرحمان داریلی صاحب کی نگرانی اور مولانا مفتی سید عالم ناظم دار الاقامہ، مولانا اسلام الرحمان صاحب کی معاونت سے اختتام پذیر ہوئے جبکہ شعبہ حفظ کی دونوں کلاسوں کا امتحان گلگت کے معروف قاری، قاری حبیب اللہ نے لیا، مجموعی طور پر بہت اچھا رزلٹ آیا، جن طلبہ نے پوری جامعہ میں اول دوئم پوزیشنیں حاصل کی انہیں رئیس الجامعہ نے نقد ہزار روپے انعام دیا۔ رزلٹ کے دن رئیس الجامعہ نے طلبہ واساتذہ سے ایک اصلاحی خطاب بھی کیا۔ رزلٹ ناظم تعلیمات جامعہ نصرۃ الاسلام مولانا خلیل الرحمان نے سنایا۔ تمام اساتذہ وطلبہ نے پروگرام میں حصہ لیا۔

19 جنوری 2014ء/ رئیس الجامعہ کا عظمت صحابہ کانفرنس سے خطاب

19 جنوری 2014ء کو رئیس الجامعہ مولانا قاضی نثار احمد عظمت صحابہ کانفرنس سے تفصیلی خطاب کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کی ذات اقدس پوری انسانیت کے لیے اسوہ حسنہ ہے۔ جو بھی انسان دنیاوی اور اخروی کامیابی کے لیے آقائے نامدار جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو عملی نمونہ بنائے گا وہ دو جہانوں میں فلاح پائے گا۔ تعلیمات نبوی ﷺ مکمل ماننے اور اپنی عملی زندگی میں نافذ کرنے کا نام ایمان ہے۔ اس کے بغیر ایمان کو کامل کہنا ایمان کی توہین ہے۔ تمام صحابہ کرام اور اہل بیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی جانثار ہیں۔ ان کی عظمت واحترام تمام مسلمانوں پر فرض ہے۔ صحابہ کرام اور اہل بیت عظام کی تقدیس اور احترام ہمارا فرض اور جزو ایمان ہے۔ ان کے خلاف جو بھی زبان درازی کرے گا اس کو معاف نہیں کیا جاسکتا ہے۔ ان خیالات کا اظہار تنظیم اہل سنت والجماعت گلگت بلتستان وکوہستان کے مرکزی امیر وخطیب جامع مسجد گلگت جناب قاضی نثار احمد نے کیا۔

نپورہ بسین میں سیرت کمیٹی نپورہ یوتھ ارگنائزیشن کی طرف سے منعقدہ سیرت النبی کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے قاضی نثار احمد نے مزید کہا کہ گلگت بلتستان میں ریاستی اداروں کی طرف سے اہل سنت پر ظلم ہو رہا ہے۔ جو قطعا ناانصافی پر مبنی ہے۔ مقتدر اداروں اور نااہل پارلیمانی حکومت اور انتظامیہ کی سرپرستی اور تعاون سے کچھ لوگ حدود تجاوز کر چکے ہیں۔ آئے دن نئے نئے رسوم متعارف کروائے جاتے ہیں۔ نئے روٹس قائم کیے جارہے ہیں اور قانون کے خلاف ورزی کرتے ہوئے سبیلیں لگاتے ہیں۔ یہ سب حکومت کا تیار کردہ امن معاہدہ کے خلاف ہے اور امن معاہدہ 2005ء کی خلاف ورزیاں روز کا معمول بن گیا ہے۔ مساجد ایکٹ 2012ء کو پاؤں تلے مسلا جاتا ہے۔

امن معاہدہ میں باقاعدہ طے ہے کہ دوسروں کے مسلمہ عقائد کیا احترام کیا جائے گا مگر محرم الحرام کے مقدس مہینہ میں اہل سنت کے مسلمہ عقائد کو چھیڑ کر پھر سے گلگت میں فساد اور لڑائی کی دعوت دی گئی ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ تمام باتیں معاشرتی امن کے لیے تباہ کن ہیں۔ گلگت بلتستان کی تاریخ گواہ ہے کہ ہم نے کبھی بھی فساد اور لڑائی میں پہل نہیں کی ہے۔ ہمارے ابا جان رحمہ اللہ نے بھی گلگت بلتستان کی امن کو عزیز رکھا اور ہم بھی امن کے لیے سب برداشت کر رہے ہیں۔ قاضی نثار احمد نے حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے مزید کہا کہ گزشتہ کچھ عرصے میں اہل سنت کے سولہ بے گناہوں لوگوں کو شہید کیا گیا ہے۔ افسوناک بات یہ ہے کہ ابھی تک کسی کا قاتل گرفتار نہیں ہوا۔ اپنے جائز مطالبات کے لیے احتجاج کرنے والے بے گناہ طلبہ کے اوپر پولیس نے گولیاں برسائی، فائرنگ کے لیے باقاعدہ مجسٹریٹ کی تحریری اجازت لینی پڑتی ہے مگر بغیر اجازت کے نہتے طلبہ پر فائرنگ کر کے شدید زخمی کر دیے گئے اور ابھی تک ان ظالموں کے خلاف کاروائی نہیں کی گئی۔ ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت دیامر میں حالات خراب کرائے جارہے ہیں۔ کچھ نااہل لوگوں کی بددیانتی کی وجہ سے دیامر میں ایک بے گناہ پولیس ایس پی اور ایک فوجی آفیسر کو جان سے ہاتھ دھونے پڑے۔ اس کا ایک ہی مقصد ہے کہ ضلع دیامر جو پرامن علاقہ ہے کو بدنام کیا جائے اور وہاں اپریشن کی جائے۔ انہوں نے مزید کہا کہ یہاں ائی جی پی کو اغوا کیا گیا، ایک جج کو شہید کیا گیا یا اور دیگر حکومت کے ذمہ دار لوگوں کو شہید کیا گیا مگر انتظامیہ نے اب تک ان بدمعاشوں کے گریبان میں ہاتھ نہیں ڈالا بلکہ ذلیل ہو کر ان سے سخت گرمی میں چغہ پہن کر آئی اور ہمارے نام نہاد وزیر اعلیٰ نے اس سے مہمان نوازی سے تعبیر کیا۔ ہمیں معلوم ہے کہ یہ بھی مقتدر طبقات کا رچایا ہوا ڈرامہ ہے۔ ایک مخصوص طبقے کو نوازنے کے لیے ایک پیکج دیا گیا جو

مکمل طور پر اہل سنت کے خلاف ہے۔اب کی بار بھی مرکزی حکومت اہل سنت کو دیوار سے لگانے کے لیے اسلام آباد میں محلاتی سازشیں کر رہی ہے۔یاد رکھا جائے یہ ملک ہمارے اکابرین کی قربانیوں کی وجہ سے آزاد ہوا ہے۔غریب کانگریس اور 1906ء میں بنی مسلم لیگ کی مرہون منت سے ہمیں آزادی نہیں ملی ہے۔آزادی کے لیے تو سید احمد شہید سے لے کر شیخ الہند محمود الحسن نے قربانیاں دی۔انہیں کی طفیل یہ ملک معرض وجود میں آیا ہے۔اس ملک کی حفاظت ہمارا فرض ہے۔اسلام اور استحکام پاکستان لازم وملزم ہیں۔مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہمیں دیوار سے لگایا جائے۔ہمارا کشمیر کے ساتھ ایک قدیم تعلق ہے۔سیرت النبی کانفرنس سے ضلع گلگت کے درجنوں جید علماء کرام نے بھی خطاب کیا۔عوام کی ایک بڑی تعداد نے شرکت کی۔تنظیم اہل سنت والجماعت کے مرکزی جنرل سیکٹری محمد نواز نے بھی حالات حاضرہ پر تفصیلی گفتگو کی۔انہوں نے کہا کہ گلگت بلتستان کشمیر کا آئینی، تاریخی اور علاقائی حصہ ہے۔میرے پاس اس کے تمام ثبوت موجود ہیں۔بانی ملک جناب قائد اعظم اور سردار عبدالقیوم کے درمیان ہونے والی گفتگو اور ٹیلی گرام بھی میرے پاس محفوظ ہے کہ گلگ بلتستان کشمیر کا حصہ ہے۔کشمیر کورٹ کا فیصلہ بھی محفوظ ہے۔میں کسی بھی فورم میں یہ سب ثابت کرنے کے لیے تیار ہوں۔

25 جنوری 2014ء/رئیس الجامعہ کی اسلام آباد روانگی وامد

25 جنوری 2014ء کو رئیس الجامعہ علاقائی اہم امور کی وجہ سے اسلام آباد تشریف لے گے وہاں انہوں نے جامعہ نصرۃ الاسلام کے اہم امور کے ساتھ گلگت بلتستان کے سیاسی و مذہبی معاملات کے حوالے سے اہم حکومتی وسیاسی اور مذہبی قائدین سے ملاقاتیں کی، بعدازیں گلگت واپس ہوئے۔

2 فروری 2014ء/رئیس الجامعہ کا مناور میں سیرۃ کانفرنس سے خطاب

فروری 2014ء کو رئیس الجامعہ کا مناور میں سیرۃ کانفرنس سے خطاب کیا۔بروز اتوار 2 فروری کو مناور کی مرکزی مسجد ام کوٹ میں سیرت کمیٹی مناور کی طرف سے ایک کانفرنس کا انعقاد کیا گیا۔جس میں مناور گاؤں سے تعلق رکھنے والے کثیر تعداد میں عوام، عمائدین کے علاوہ باہر سے آئے ہوئے کثیر تعداد میں مہمانوں نے شرکت کی اس موقع پر نعت کی صورت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گلہائے عقیدت پیش کیئے گئے۔اس کے علاوہ سیرت النبیؐ کے حوالے سے مقررین نے خطاب کیا۔اس موقع پر مہمان خصوصی خطیب مرکزی جامع مسجد گلگت مولانا قاضی نثار صاحب امیر تنظیم اہل سنت والجماعت گلگت بلتستان وکوہستان نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ آج کے پرفتن دور میں مسلمانوں کی کامیابی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر عمل کرنے میں ہے۔اللہ تعالی نے قرآن مجید میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کو مسلمانوں کے لئے بہترین نمونہ قرار دیا ہے۔انہوں نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ والہانہ محبت کے بغیر ایمان کامل نہیں ہوتا، اس محبت کا تقاضا یہ ہے کہ مسلمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر عمل کریں، اس کے بغیر محض کانفرنسیں منعقد کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا دعویٰ خود فریبی ہے۔انہوں نے حضرت عمر فاروقؓ کے حوالے سے مزید کہا کہ ہماری عزت اسلام پر عمل کرنے میں ہے۔کانفرنس سے مولانا جعفر صادق نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے مشکلات اور مصائب سے بھرپور اس دور میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی 13 سالہ مکی زندگی ہمارے لئے مشعل راہ ہے کہ کیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکی زندگی میں ان مشکلات کا مردانہ وار مقابلہ کیا جس کا نتیجہ بالآخر حق کی فتح کی صورت میں نکلا۔مولانا عطاء اللہ ثاقب نے

فرمایا کہ آج مسلمان دنیا کے جس کونے میں بھی ظلم وستم کا شکار ہیں تو اس کو وجہ یہی ہے کہ مسلمانوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو پس پشت ڈالا ہوا ہے۔ مولانا رئیس نے سیرت طیبہ کے عفو و درگزر کے پہلو کو اجاگر کرتے ہوئے فرمایا کہ مسلمانوں کو باہمی اختلافات کو بھلا کر ایک دوسرے کے ساتھ عفوو درگزر سے کام لینا چاہئے، ورنہ معاشرے میں قیام امن کا خواب پایہ تکمیل تک نہیں پہنچ سکتا۔ تنظیم اہل سنت کے جنرل سیکٹری محمد نواز نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے ساتھ ساتھ خلفائے راشدینؓ کی سیرت بھی ہمارے لئے مشعل راہ ہے۔ کیونکہ صحابہ کرام سیرت نبی پر عمل کا عملی نمونہ تھے۔ کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے مولانا عرفان نے اہلیان مناور کو سیرت النبیؐ کانفرنس کے کامیاب انعقاد پر مبارکباد پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ ان کانفرنسوں کا اصل مقصد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق پر عمل کرنا ہے۔ انہوں نے سیرت طیبہ کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کرتے ہوئے شرکا پر زور دیا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عادات اور اخلاقیات کو اپنالیں۔ یہی اس کانفرنس کا اصل مقصد ہے۔

کانفرنس کے آخر میں متفقہ طور پر یہ قرارداد پیش کی گئی کہ علاقے میں پرامن طریقے سے رہنے کے لئے ضروری ہے کہ دونوں مسالک کے لوگ اپنی عبادات کو اپنی اپنی عبادتگاہوں تک محدود رکھیں۔ حکومت سے کہا گیا کہ 12 ربیع الاول کی طرح ملک بھر میں خلفائے راشدینؓ کے یوم شہادت اور یوم وفات کے موقع پر عام تعطیل کا اعلان کیا جائے۔ کانفرنس میں جوٹیال میں شہید کئے جانے والے وکیل اور ایلیٹ فورس کے شہید بہادر کے قاتلوں کو گرفتار کرنے کے ساتھ ساتھ زخمی کیے جانے والے ایلیٹ فورس کے جوان بلال کو زخمی کرنے والے مجرموں کو گرفتار کرنے کا حکومت سے مطالبہ کیا گیا۔ قرارداد میں گزشتہ دنوں ڈائریکٹر ایگریکلچر فضل الرحمٰن پر قاتلانہ حملے کی پرزور مذمت کرتے ہوئے حکومت سے درخواست کی گئی کہ مجرموں کو کیفر کردار تک پہنچا دیا جائے۔

اس اجلاس کی وساطت سے صوبائی حکومت سے پرزور اپیل کی گئی کہ وہ گلگت شہر میں مخصوص عناصر کی طرف سے حالات خراب کرنے کی کوششوں کا نوٹس لے تاکہ حکومت کی طرف سے امن وامان کے حوالے سے کی جانے والی کوششیں بار آور ہوسکیں۔ تمام مقررین نے امن معاہدہ اور ضابطہ اخلاق کے نفاذ پر زور دیا اور حکومت سے مطالبہ کیا کہ ہر حال میں امن کو یقینی بنایا جائے۔

....

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مراسلات

بقائے اُردو مجلّاتی صحافت کے لیے
تبادلہ معلومات اور علمی تعاون کی اپیل

مراسلہ نگار: سعید الرحمان، لیکچرر و پی ایچ ڈی اسکالر اسلامیات

دینی و تعلیمی شعور و آگہی کے لیے سرگرمِ عمل اسلامک ریسورس اینڈ انفارمیشن سنٹر مردان متروک اور دم توڑتی ہوئی اردو مجلّاتی صحافت کی احیاء و بقاء کے لیے کوشاں ہے۔ اس سلسلے میں ابتداً ''عالمی ڈائریکٹری اردو رسائل و جرائد'' کی ترتیب و تدوین اور ''اردو میگزینز سٹڈی سرکل'' (میگزین لائبریری) کا آغاز ہو چکا ہے جس میں علوم و فنون کے جملہ شعبوں اور ہر قسم یعنی مذہبی و مسلکی، فقہی و اجتہادی، فکری و نظریاتی، دعوتی و معلوماتی، تحریکی و تنظیمی، علمی و تحقیقی، تعلیمی و تربیتی، ادبی و تخلیقی، روحانی و اصلاحی، سماجی و سیاسی، ثقافتی و تفریحی، معاشی و تجارتی، تاریخی و سوانحی، طبی اور دیگر پیشہ وارانہ مطبوعہ اور برقی (الیکٹرانک) ہر دو صورتوں میں دستیاب ملکی و غیر ملکی رسائل و جرائد، صحف و مجلات، سلسلہ وار اشاعتوں، کتابی سلسلوں اور خبر ناموں / نیوز لیٹرز تک رسائی کے بارے میں بنیادی معلومات درج کی جا رہی ہیں۔

دینی و عام اردو مجلّاتی صحافت سے وابستہ جملہ مدیران، منتظمین و دیگر متعلقین، قارئین اور شائقین سے خصوصی گزارش ہے کہ ہمارے ساتھ کسی بھی رسالہ کے بارے میں ادنیٰ سے اعلیٰ معلومات جیسے رسالے کا نام، پوسٹل ایڈرس، رابطہ نمبرز، ویب سائٹ، ای میل، فیس بک لنک وغیرہ اور رسالہ کا کوئی بھی موجودہ یا سابقہ مطبوعہ شمارہ ضرور شیئر کیجئے۔ اگر آپ کے زیر اثر کوئی رسالہ / جریدہ / مجلہ شائع ہو رہا ہو یا ہو چکا ہو تو آپ سے اس کا کم از کم ایک نیا یا سابقہ مطبوعہ شمارہ برائے ڈائریکٹری اندراج و ریکارڈ اور میگزین لائبریری ارسال کرنے کی درخواست ہے۔ مزید براں اگر ممکن ہو اور تحقیقی و تعلیمی اداروں / لائبریریوں کے لیے آپ کے رسالے کی اعزازی ترسیل کا کوئی انتظام ہو تو اس سے ہماری میگزین لائبریری کو محروم نہ رکھا جائے۔

رسائل و جرائد کی اس ڈائریکٹری کی تکمیل پر اہلِ علم، طلباء، ریسرچ سکالرز اور مجلّاتی صحافت کے شائقین، ان تک رسائی کرنے اور مستفید ہونے کے قابل ہو سکیں گے اور یہ معلومات آپ کے موقر رسالہ کی نشر و اشاعت، تشہیر اور نیک نامی کا باعث بھی بن سکیں گی، انشاء اللہ

پتہ برائے خط و کتابت:

سعید الرحمان، لیکچرر و پی ایچ ڈی سکالر اسلامیات، عبدالولی خان یونیورسٹی، مین کیمپس مردان، پوسٹل کوڈ: 23200، خیبر پختونخوا، پاکستان، ای میل: saeed@awkum.edu.pk

ازادارہ

نامے.....

میرے نام!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(ا)....محترم جناب حقانی صاحب، مدیر سہ ماہی نصرۃ الاسلام زید مجدکم

محترم المقام السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

مزاج بخیر! امید ہے آپ صاحبانِ علم ودانش بخیر وعافیت ہوں گے۔

میں سعید الرحمٰن، مردان یونیورسٹی میں گزشتہ چار سال سے بحثیت لیکچرار اپنے فرائضِ منصبی انجام دے رہا ہوں۔ درس وتدریس کے ساتھ ساتھ خزاں سے پی ایچ ڈی کا طالب علم بھی ہوں۔ مجھے اردو مجلّاتی صحافت سے خصوصی شوق وشغف ہے اور اس کی احیا وبقاء کے لیے اپنی صلاحیتوں کو ممکنہ حد تک استعمال میں لانا چاہتا ہوں۔ میں "علوم اسلامیہ میں ذرائع ابلاغ کا کردار" کے عنوان سے ماسٹر زلیول پر ایک مضمون بھی پڑھاتا ہوں۔ اس کے علاوہ میرا پی ایچ ڈی کا مقالہ بھی انشا اللہ "اسلامی مجلّاتی صحافت " کے موضوع پر ہوگا۔

"احیائے اردو مجلّاتی صحافت" کے سلسلے میں ابتدا میں نے "انٹرنیشنل ڈائریکٹری اردو رسائل وجرائد" کی ترتیب وتدوین کا آغاز کیا ہے جس میں بیسیوں ملکی وغیر ملکی اردو رسائل وجرائد تک رسائی کے بارے میں معلومات کا اندراج ہو چکا ہے اور ہنوز یہ سلسلہ جاری وساری ہے۔

رسائل وجرائد کی اس ڈائریکٹری میں علوم وفنون کے جملہ شعبوں اور ہر نوع اور ہر قسم جیسے مذہبی ومسلکی، فقہی و اجتہادی، فکری ونظریاتی، دعوتی وتبلیغی، تحریکی وتنظیمی، علمی وتحقیقی، تعلیمی وتربیتی، ادبی وتخلیقی، تاریخی وسوانحی، باطنی وروحانی، اصلاحی واخلاقی، سماجی ومعاشرتی، ثقافتی وتہذیبی، معلوماتی وتفریحی، سیاسی اور معاشی اور طبی وغیرہ الغرض کسی بھی موضوع پر اردو زبان میں مطبوعہ یا برقی (الیکٹرانک) ہر دو صورتوں میں دستیاب ملکی وغیر ملکی رسائل وجرائد، صحف ومجلّات، سلسلہ وار اشاعتوں، حتی کہ کتابی سلسلوں اور خبر ناموں تک کے بارے میں بنیادی معلومات درج کی جارہی ہیں۔

سہ ماہی نصرۃ الاسلام کی توسط سے کسی بھی سطح پر اردو مجلّاتی صحافت سے وابستہ تمام مدیران و منتظمین، دوست واحباب اور متعلقین وشائقین سے خصوصی گزارش ہے کہ "احیائے اردو مجلّاتی صحافت" کی اس ادنی کاوش میں بھرپور علمی تعاون کریں اور کسی بھی رسالہ اور جریدہ کے بارے میں ادنی سے اعلی معلومات جیسے رسالے کا نام ومقام، پوسٹل ایڈرس، ٹیلی فون

اور موبائل نمبرز، ویب سائٹ، ای میل، فیس بک لنک وغیرہ ہمارے ساتھ ضرور شیئر کیجئے۔

محترم قائین: آپ کے زیرِ اثر کوئی رسالہ/جریدہ/مجلّہ شائع ہو رہا ہو یا شائع ہو چکا ہو تو آپ اس کا کم از کم ایک شمارہ برائے ڈائریکٹری اندراج وریکارڈ کی فراہمی کی ارسال کرنے کی درخواست ہے۔ مزید براں اگر آپ کے لیے ممکن ہو اور کوئی رکاوٹ حائل نہ ہو تو میرے اور طلبہ کے مطالعہ اور استفادہ کیلئے ہمیں اپنے رسالے کے ممکنہ سابقہ شمارے بھی ارسال فرما کر شکریہ کا موقع دیں اور اگر تدریسی اداروں اور لائبریریوں کے لئے آپ کے رسالہ کی اعزازی ترسیل کا کوئی انتظام ہو تو اس سے ہماری ڈیپارٹمنٹ کو محروم نہ رکھا جائے۔

رسائل وجرائد کی اس ڈائریکٹری کی تکمیل پر اہلِ علم، طلبا، ریسرچ سکالرز اور اردو مجلّاتی صحافت کے شائقین، ان تک رسائی کرنے اور مستفید ہونے کے قابل ہو سکیں گیا اور مزید براں یہ معلومات آپ کے موقر رسالہ کی نشر واشاعت، تشہیر اور نیک نامی کا سبب بھی بن سکیں گی۔ اِن شاءاللہ

اس ادنی علمی کاوش میں آپ کی طرف سے معلومات کی فراہمی اور علمی اعانت وسرپرستی اور ہر ممکن تعاون کا بندہ کوشدت سے انتظار رہے گا۔

جزاکم اللہ احسن الجزاء، والسلام علیکم ورحم اللہ

آپ کا خیر اندیش اور شکر گزار:

سعید الرحمٰن لیکچرر وریسرچ سکالر

ڈیپارٹمنٹ آف اسلامک سٹڈیز، عبدالولی خان یونیورسٹی، مین کیمپس، مردان،

پوسٹل کوڈ:23200، خیبر پختونخواہ۔ ای میل: saeed@awkum.edu.pk

....

(۲)....گرامی قدر جناب ایڈیٹر صا

حب سہ ماہی ''نصرۃ الاسلام'' گلگت بلتستان

السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ!

خیریت مطلوب ومقصود ہے۔ سہ ماہی نصرۃ الاسلام مولانا نادر شاہ صاحب سے لے کر پڑھتا ہوں۔ اب شاید میرے نام پر بھیج دو گے۔ رسالے میں فوئد کثیر ہیں۔ اور اب مسلمانوں کو معلوم ہونا شروع ہو گیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ رسالے کی اشاعت کے بعد گلگت میں فرقہ واریت میں کمی آئی ہے۔ یہ نومولود درخت آپ اور محترم المقام قاضی نثار احمد صاحب نے لگایا ہے۔ اب تمام مسلمانوں پر لازم ہے کہ اس کی آبیاری کریں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو استقامت عطاء کریں۔ رسالے کا ممبر بننے کے لیے مجھے بھی فارم بھیج دیں۔ طریقہ کار کی وضاحت کریں۔ اللہ آپ کا حامی وناصر ہو۔

والسلام

سید کفایت اللہ، تحصیل غذر اشکومن چٹور کھنڈ

....

بسم اللہ الرحمان الرحیم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

(۳)....محترم ومکرم جناب ایڈیٹر ''سہ ماہی نصرۃ الاسلام'' گلگت پاکستان صاحب زید مجدکم
۷ جولائی ۲۰۱۳ء
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے مزاج گرامی بخیر ہونگے۔عرض یہ ہے کہ بندہ ریٹائرڈ پرائمری ٹیچر ہے۔کافی عرصے سے علیل ہے۔برائے مہربانی رسالہ نصرۃ السلام میرے نام باقاعدگی سے اعزازی جاری کریں۔امید ہے کہ ہر شمارہ اعزازی بھجوا کر ممنون فرمائیں گے۔

دعا گو
یاسر حبیب، نئی آبادی گڑھی مواز خان کوہاٹ

☆☆☆☆☆

(۴)....مکرمی ومحترم المقام امیر جان حقانی صاحب ایڈیٹر سہ ماہی نصرۃ الاسلام، زید مجدکم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ

امید ہے کہ مزاج عالی بخیر وعافیت ہوں۔سہ ماہی نصرۃ السلام کے تازے شمارے میں القاسم اکیڈمی کے تین کتابوں ''مآثر ومکاتیب'' ''والد کا پیغام اولاد کے نام'' اور اسلامی معاشرے کے لازمی خدوخال'' پر تبصرہ پڑھا۔ماشاء اللہ تبصرہ نگار نے ہر کتاب کا حرف حرف نہ پڑھا ہے بلکہ جانچا بھی ہے اور پرکھا بھی۔

تبصرہ صرف قدردانی ادب کا شاہکار ہی نہیں بلکہ تبصرہ نگار کے افکار تازہ اور رعنائی نظر وخیال کا عکاس بھی ہے۔یہ آپ حضرات کا وسعت ظرف اور قلم وکتاب کے خدام کی خدمتوں کا اعتراف ہے۔جس کے لیے ہم تہ دل شکر گزار ہیں۔امید ہے کہ آئندہ بھی حوصلہ افزائی فرماتے رہیں گے۔بطور انعام کے بنیاد کا پتھر ارسال خدمت ہے تبصرہ بھی کردیں۔ **والسلام**

(مولانا) عبدالقیوم حقانی (حفظہ اللہ ودرعاہ)
(سرپرست اعلیٰ ماہنامہ القاسم ورئیس جامعہ ابوھریرۃؓ والقاسم اکیڈمی خالق آباد نوشہرہ، کے پی کے)
16 اگست، 2013ء بمطابق 27 رمضان المبارک 1434ھ

☆☆☆☆☆

(۵)....محترم ومکرم جناب ایڈیٹر امیر جان حقانی المعروف ابن شہزاد حقانی صاحب
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج بخیر ہونگے۔ماہنامہ میثاق آپ کے مؤقر مجلہ کے تبادلے میں جاری کی گیا تھا۔ہم ماہوار آپ کو اپنا رسالہ ارسال کرتے ہیں۔آپ کا مؤقر جریدہ ''سہ ماہی نصرۃ۔الاسلام'' بھی لائبریری میں باقاعدگی سے آرہا ہے۔تاہم نامعلوم وجوہات کی بنا پر سال 2012 کے مندرجہ ذیل شمارے موصول نہیں ہوئے ہیں۔جنوری تا مارچ اور اکتوبر تا دسمبر

جامعہ نصرۃ الاسلام کا مختصر تعارف

(بقیہ)

ان کی حالت بھی کوئی سازگار نہیں۔ انھی حالات میں فاضلین دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا قاضی عبدالرزاق رحمہ اللہ کی سرپرستی میں جمع ہوئے اور تین سو کنال رقبہ زمین حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے۔ قاضی عبدالرزاقؒ کے رفقاء کار میں مولانا گل شیر خانؒ، مولانا نذیراللہ خانؒ، مولانا حبیب اللہ دامت فیوضہم، مولانا لقمان حکیم حفظہ اللہ اور دیگر علماء تھے۔ تمام تر مالی بے بضاعتی اور بے مایہ گی کے باوجود اس تین سول کنال اراضی پر ابتدائی طور پر دو بلاک پر مشتمل ایک چھوٹی سی عمارت تعمیر کی گئی۔ اہل سنت عوام کے لیے ایک بڑا عیدگاہ بھی تعمیر کروایا گیا جو آج تک مرکزی عیدہ گاہ کے طور پر استعمال میں ہے۔ اسی اراضی میں ایک اجتماعی قبرستان بھی بنایا گیا جہاں اہل سنت عوام اپنے مرحومین کو دفناتے ہیں۔ دس کنال اراضی تبلیغی جماعت کو گلگت بلتستان کا مرکز بنانے کو دیا گیا جہاں آج ایک بڑی مسجد اور عمارت تعمیر کے مراحل سے گزر کر تیار ہے۔ اب بھی جامعہ کے پاس جامعہ کی حدود سے لے کر پہاڑی کے آخری سرے تک چار سو کنال سے زیادہ کی زمین موجود ہے۔ جس میں وسائل نہ ہونے کی وجہ سے تعمیراتی کام آہستہ آہستہ جاری ہے۔

اس اولین پرانی دو بلاکوں پر مشتمل عمارت میں گلگت بلتستان کے دور دراز دیہاتوں سے گلگت آکر عصری تعلیم حاصل کرنے کے طلبہ کے لیے ہاسٹل کا انتظام کیا گیا۔ یہ غریب طلبہ دن کو سکول و کالج جاتے اور باقی سارا وقت جامعہ کے ہاسٹل میں رہ کر تعلیم و تربیت سے اراستہ ہو جاتے۔ قاضی عبدالرزاق رحمہ اللہ کے ہونہار شاگرد مولانا حبیب اللہ حفظہ اللہ (فاضل دارالعلوم دیوبند) اس ہاسٹل کے اولین ناظم مقرر ہوئے۔ یہ سلسلہ 1984ء تک چلتا رہا۔

جامعہ نصرۃ الاسلام میں درس نظامی کا آغاز

1984ء کو قاضی عبدالرزاقؒ نے اپنے رفقاء ایک ایمرجنسی میں میٹنگ بلوائی اور ایک طویل مشاورت کے بعد توکل علی اللہ کر کے اس پرانی عمارت میں ایک استاد اور کچھ طلبہ کے ساتھ باقاعدہ درس نظامی کا آغاز کیا گیا اور مولانا نذیراللہ خانؒ کو مہتمم اول مقرر کیا اور مولانا گل شیر خانؒ نائب مہتمم اور مولانا لقمان حکیم کو ناظم تعلیمات مقرر کیا۔

جامعہ نصرۃ الاسلام، صدیقی ٹرسٹ کے تعاون خصوصی اور مخیرّ حضرات کی صدقات، فطرات سے باقی ماندہ زمین پر کچھ اساتذہ کے مکانات اور جامعہ نصرۃ الاسلام کے طلبہ ونگ کے لیے ایک ہاسٹل 32 کمروں پر تعمیر کیا گیا جو کچی تعمیرات پر مشتمل ہیں۔ شکر الله سعیه و جزاه فی الدارین خیر الجزاء۔ اللہ تعالی ان کو دارین کی جزائے خیر عطا فرمائے۔

جامعہ نصرۃ الاسلام گلگت، گلگت بلتستان کا سب سے بڑا اور قدیم دینی ادارہ ہے۔ یہی وہ مدرسہ ہے، جس نے گلگت بلتستان کے غریب طلبہ کو اپنے دامن میں جگہ دی اور تعلیم و تربیت سے آراستہ کی۔ الحمد اللہ پورے گلگت بلتستان کے عوام نے اس جامعہ سے استفادہ کیا اور اس جامعہ میں تعلیم و تربیت پانے والے سینکڑوں علماء، فضلا، محدث، مفسر، فقیہ و ادیب، قاضی و مفتی، حفاظ و قراء، زہاد و اتقیاء، امام و موذن، سرفروش مجاہدین اور مبلغین اسلام تیار ہو کر پورے علاقے میں ہر لمحہ دین کی حفاظت و اشاعت میں نمایاں حصہ لے رہے ہیں، یہ مرکزِ علم و حکمت اور فکر و دانش، اس الحادی و مادی علاقے میں ایک روشن مینار ہے جس کی شعاعیں پورے گلگت بلتستان م میں پھیل رہی ہیں۔ اور یہاں کے تربیت یافتہ پاکستان کے مختلف علاقوں اور عرب ممالک میں دینی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ مہتمم اول مولانا نذیراللہ خانؒ کے انتقال کے بعد ان دونوں جامعات کا تمام تر نظم و نسق اور اہتمام قاضی عبدالرزاقؒ کے فرزند ارجمند قاضی نثار احمد حفظہ اللہ و رعاہ سنبھالے ہوئے ہیں۔ والحمد للہ علی ذلک۔

جامعہ نصرۃ الاسلام کے ترقیاتی کام ایک نظر میں!

2013ء و 2014ء میں جامعہ نصرۃ الاسلام کی ذیلی شاخ جامعہ عائشہ صدیقہ للبنات میں بہت سے ترقیاتی کام مکمل کرلیے گئے ہیں، کئی پراجیکٹ ابھی زیر تعمیر ہیں، اور کچھ فوری شروع کیے جانے ضروری ہیں۔ مکمل شدہ اور جاری کاموں کی ایک جھلک ملاحظہ ہو۔

1۔ مکمل شدہ کام:

۱۔ جامعہ عائشہ صدیقہ کے دس باتھ روم
۲۔ بنات کے بڑے لان کی چاردیواری
۳۔ بنین میں تین نئے باتھ روم
۴۔ جامعہ نصرۃ الاسلام کا مکمل رنگ وروغن
۵۔ دو گیراج، ایک بڑا کنواں
۶۔ دو رہائشی مکانات کی بیرونی چاردیواریاں
۸۔ ویسٹیج کے لیے چار بڑے مین ہول
۹۔ جامعہ کی بیرونی چاردیواری کی تعمیر

2۔ جاری کام:

۱۔ شعبہ بنات کا ایک بڑا رہائشی ہاسٹل دو سال سے زیر تعمیر ہے جس کی لاگت کروڑوں سے متجاوز ہے۔
۲۔ جامعہ کی لائبریری کا ازسرنو تعمیراتی کام
۳۔ جامعہ کے باورچی کے لیے نئے مکان کی تعمیر
۴۔ جامعہ کا کینٹین اور مکتبہ وجنرل اسٹور کا کام
۵۔ پانی محفوظ کرنے کے لیے بڑی ٹینکی
۶۔ نئے اساتذہ کے لیے دو سیٹ مکانات

3۔ مستقبل کے فوری تعمیراتی پراجیکٹ:

۱۔ جامعہ کی مسجد کی تعمیر
۲۔ اساتذہ کے مکانات
۳۔ انگلش میڈیم اسکول کی تعمیر
۴۔ جامعہ کی ملکیتی زمین کی مکمل چاردیواری

اس کے علاوہ بھی جامعہ کے کئی کام جاری ہیں اور مزید شعبہ جات کے اجراء کی ضرورت ہے،

اہل خیر حضرات سے "وتعاونوا علی البر والتقوی" کے تحت تعاون کی درخواست ہے۔

الدّاعی الی الخیر:

(حضرت) مولانا قاضی نثار احمد، رئیس جامعہ نصرۃ الاسلام وجامعہ عائشہ صدیقیہ

عیدگاہ روڈ، گلگت۔ گلگت بلتستان۔ رابطہ نمبر: 05811-453279، 03003955122

اکاؤنٹ نمبر بنام:

جامعہ اسلامیہ نصرۃ الاسلام حبیب بینک (بمد صدقات) گلگت برانچ 0107-00268709-03

جامعہ اسلامیہ نصرۃ الاسلام الائیڈ بینک (بمد زکوۃ) گلگت برانچ: 05780110036433